مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن کی نئی مطبوعات

جمعہ کے احکام وفضائل	نیاز احمد طیب پوری	75/-
آداب زواج	مولانا محمد الاعظمی	75/-
ایمان وعمل	مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری	170/-
اتباع سنت کی اسلامی دعوت	علامہ نواب صدیق حسن خاں	98/-
تحفۃ الخطیب	مولانا محمد فاروق فیضی	45/-
آسان عربی گرامر	مکمل ۳ حصے	120/-

دارالعلوم دیوبند، جامعہ سلفیہ بنارس، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامعۃ الفلاح بلریاگنج کے نصاب پر مشتمل کتابیں اور ان کی شروحات کے علاوہ ہر قسم کی دینی اور علمی کتب بھی ہم سے طلب کریں۔

Maktaba Al-Faheem
مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road
Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Ph: 0547-2222013 (S) 2520197 (R) Mob.9889123129/9236761926
پہلی منزل ریحان مارکیٹ، صدر چوک، مئوناتھ بھنجن، مئو (یوپی) ۲۷۵۱۰۱

”اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“ (قرآن)

روزہ دعوت نئی دہلی

قرآن اکیڈمی، صفا کمپلیکس، ڈومریاگنج ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)

کی فخریہ پیشکش

(۱) ریاض الصالحین (ہندی) دو جلدیں، از: علامہ نوویؒ صفحات 1792، قیمت/ Rs.550
(۲) مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، از پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی، صفحات 598، قیمت/ 300
(۳) مدارس کے نصاب تعلیم میں قرآن کریم کا مقام اور اس کا منہج تدریس (مجموعہ مقالات)
مرتب: مولانا رفیق احمد رئیس سلفی، صفحات 400، قیمت/ Rs.150

ملنے کا پتہ

DARUL KITAB
A-1, Jogabai Ext. Khajuri Road, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph.: +91-11-26980153, Fax: +91-11-26976984

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۱۸ ● ۲۲ر فروری ۲۰۰۹ء ● 22 Feb. 2009 ● اتوار ● ۲۶ر صفر المظفر ۱۴۳۰ھ ● قیمت= Rs.5/ ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ر ریال ● Posting: 20 Feb. 2009 Friday

حکومت کی میعاد تو پوری ہوگئی اقلیتوں سے کئے گئے وعدے نہیں

مرکزی کی یو پی اے سرکار کے آخری اور عبوری عام بجٹ سے جس طرح ملک کے تمام طبقات اور سیکٹروں نے یہ سوچ کر کافی توقعات وابستہ کی تھیں کہ یہ موجودہ مرکزی حکومت کا آخری بجٹ ہے جو انتخابی ہوگا۔ اسی طرح اقلیتوں نے بھی کافی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں لیکن ملک کے صنعتی سیکٹر کی طرح اقلیتوں کو بھی کافی مایوسی ہوئی۔ مرکزی وزیر مالیات پرنب مکھرجی نے عبوری بجٹ ۲۰۰۹ء پیش کرتے ہوئے صنعتی سیکٹر کو چھوڑ کر ملک کے ہر طبقے اور سیکٹر کو کچھ نہ کچھ دے کر خوش کرنے کی کوشش کی لیکن اقلیتوں کا ذکر اس طرح سرسری طور پر کرکے آگے نکل گئے جیسے یہ حکومت کے ایجنڈے میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی ہیں۔ مسٹر مکھرجی نے بجٹ پیش کرتے ہوئے یہ تو کہا کہ اقلیتوں کی فلاح وبہبود کی خاطر وزیر اعظم پندرہ نکاتی پروگرام کے لئے بجٹ میں خاطر خواہ رقم تجویز کی گئی ہے۔ وہ رقم کتنی ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ انہوں نے حکومت کے کاموں کی فہرست گناتے ہوئے اس کا تذکرہ تو اہمیت سے کیا کہ حکومت نے اقلیتی فرقہ کی سماجی اور اقتصادی ترقی کے لئے ایک نئی وزارت اقلیتی امور بنائی ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس وزارت سے واقعی اقلیتوں کو کوئی فائدہ پہنچ رہا ہے کہ نہیں، اقلیتوں کی بہبود وترقی کے لئے تشکیل دیئے گئے مشرا کمیشن اور خود وزیر اعظم منموہن سنگھ کی طرف سے بنائی اعلیٰ سطحی سچر کمیٹی کی سفارشات پر بھی وہ خاموش رہے۔

ابھی ۱۲ر فروری کو یو پی اے سرکار کے آخری بجٹ اجلاس کے موقع پر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے صدر جمہوریہ پرتبھا پاٹل نے کہا تھا کہ مرکزی حکومت نے جتنے وعدے عوام سے کئے تھے وہ تمام تقریباً پورے کردیئے لیکن واقعی صورتحال ایسی ہے یا یہ صرف حکومت کا دعویٰ ہے، ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں سے یہ سوال کیا جائے تو ان کا جواب اس دعوے کے خلاف ہی آئے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان پانچ سال تک اس حکومت سے اپنی بہبود وترقی کے لئے ٹھوس اقدامات کی امید کرتے رہے لیکن ملا کچھ نہیں۔ حالانکہ اقتدار میں آنے کے بعد یو پی اے نے کم از کم قومی مشترکہ پروگرام تیار کرکے ایسے اشارے دیئے تھے کہ وہ اس بار اقلیتوں کے لئے کچھ ایسا کام کرے گی جس کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملے گی۔ وزیر اعظم منموہن سنگھ نے مسلمانوں کے سماجی، تعلیمی اور اقتصادی حالات کا پتہ لگانے کے لئے ایک اعلیٰ سطحی سچر کمیٹی تشکیل دی تھی جس کی تحقیقات مکمل ہونے اور رپورٹ پیش ہونے میں حکومت کی آدھی مدت گزر گئی اور بقیہ آدھی مدت کمیٹی کی سفارشات کے نفاذ کے وعدے میں گزر گئے۔ جب حکومت اپنی ہی تشکیل کردہ کمیٹی کی رپورٹ پر کچھ نہیں کرسکی تو وراثت میں ملی رنگناتھ مشرا کمیشن کی رپورٹ پر عمل کی امید کیسے کی جاسکتی تھی جس میں اقلیتوں کی بہبود وترقی کو یقینی بنانے کے لئے ۱۵ فیصد ریزرویشن دینے کی بات کہی تھی جس میں سے دس فیصد صرف مسلمانوں کے لئے مختص ہو۔ یو پی اے سرکار نے مشرا کمیشن کی رپورٹ میں تو ذرا بھی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کرایا، اسے اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ کم از کم پارلیمنٹ ہی میں اس پر بحث کراسکے۔ اس دوران اقلیتی وزارت تشکیل دے کر مسلمانوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اقلیتی کمیشن، اقلیتی مالیاتی کارپوریشن اقلیتی وزارت یا اقلیتوں کے لئے وزیر اعظم کے پندرہ نکاتی پروگرام جیسے کاغذی اقدامات سے اقلیتوں کی بہبود وترقی ممکن ہے کہ وہ مطمئن ہوجائیں گے جب کہ عملی میدان میں ان کے اثرات برائے نام بھی نہیں ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کے مسائل کم ہونے کے بجائے دن بدن بڑھتے جارہے ہیں اور وہ سنگین ہورہے ہیں۔

مشرا کمیشن کی رپورٹ فائلوں کی زینت پہلے ہی بن چکی ہے۔ یو پی اے سرکار نے اس سچر کمیٹی کی رپورٹ بھی فائلوں میں بند کردی جسے اس نے اقلیتوں کی بہبود وترقی کا اہم ذریعہ بتایا تھا اور اپنے پورے دور حکومت میں اس کی دہائی دیتی رہی۔ آج حکومت سے اقلیتوں کا سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ جب اسے ان کی بہبود وترقی کے لئے کچھ کرنا ہی نہیں تھا تو ملک ان کی سماجی، تعلیمی اور اقتصادی حالت کی تصویر سچر کمیٹی کی رپورٹ کی شکل میں پوری دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ کیوں اقلیتوں کی بدحالی کی منظر کشی کرتے ہوئے یہ بتایا کہ ان کی حالت دلتوں سے بھی بدتر ہوچکی ہے؟ کیا حکومت کا مقصد سماج میں اقلیتوں کے مقام اور مرتبہ نیز عزت کو اور گرانا تھا یا کچھ اور تھا؟ جب تک سچر کمیٹی کی تحقیقات مکمل نہیں ہوئی تھیں، حکومت اسے وقار کا مسئلہ بنائے ہوئی تھی، اس پر ہونے والی تنقیدوں یا مخالفت کا جواب دینے یا اس کی راہ میں درپیش رکاوٹوں کو دور کرنے میں اس طرح پیش پیش تھی جیسے وہ بہت کچھ کرنا چاہتی ہے لیکن جیسے ہی رپورٹ پیش ہوئی کہ نفاذ میں ایسی سرد مہری دکھائی کہ دیکھتے ہی دیکھتے حکومت کی مدت پوری ہوگئی اور بہت ہی خوبصورتی سے رپورٹ ٹھنڈے بستے میں چلی گئی۔ حکومت رپورٹ کے نفاذ کے وعدے کرتی رہی اور مسلمان اس پر یقین کرکے امید کرتے رہے لیکن سچر کمیٹی کی رپورٹ کی پیشی کے بعد حکومت نے پارلیمنٹ میں جو دو عام بجٹ اور ایک عبوری بجٹ پیش کیا ان میں سے کسی میں بھی اس مد میں رقم مختص نہیں کی اور اسے نظر انداز کرتی رہی۔ اب وہ الیکشن میں جانے کی تیاری کررہی ہے۔ غرضیکہ گزشتہ پانچ برسوں میں اقلیتوں سے بڑے بڑے وعدے تو کئے گئے اور سبز باغ بھی دکھائے گئے لیکن ان وعدوں کی تکمیل تو دور ان پر دہشت گردی کا ایک ایسا داغ اس حکومت میں لگایا گیا جس کی ضرب ایک عرصے تک مسلمانوں پر پڑتی رہے گی۔

یہ بھی اسی حکومت کی دین ہے جو کہاں مسلمانوں کی بہبود وترقی کی بات کررہی تھی اس نے انہیں دہشت گردی کے الزام میں ایسا پھنسایا کہ بدنامی بھی ہورہی ہے اور پڑھے لکھے مسلم نوجوانوں کا جینا بھی دوبھر ہوگیا۔ پڑھنے کے دوران بھی اور ملازمت میں بھی انہیں یہ خوف ہمیشہ لگا رہتا ہے کہ دہشت گردی کے جھوٹے الزام میں پولیس انہیں گرفتار کرکے ان کا کیریر تباہ نہ کردے۔ مسلمانوں کو ان تمام پہلوؤں سے یو پی اے سرکار کی کارکردگی کا جائزہ لینا چاہئے اور کوشش کرنا چاہئے کہ آئندہ وہ اس طرح کے مکر وفریب میں نہ پھنسیں۔

(ص ن)

اور اب ایک مشترکہ دشمن کے استیصال کی منصوبہ بندی

افغانستان وپاکستان کے لئے امریکی صدر کے خصوصی ایلچی رچرڈ ہال بروک نے وزیر خارجہ پرنب مکھرجی کے ساتھ ملاقات کے بعد راجدھانی دہلی میں اخباری نمائندوں سے بات چیت کے دوران کہا کہ ہندوستان، پاکستان اور امریکہ کو ایک مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پچھلے ساٹھ برس میں یہ پہلا موقع ہے کہ تینوں ملکوں کو ایک ہی دشمن کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ ان کا اشارہ طالبان کی طرف تھا، واضح رہے کہ افغانستان اور پاکستان کے لئے خصوصی ایلچی مقرر ہونے کے بعد اس خطے کا یہ ان کا پہلا دورہ تھا۔ نئی دہلی پہنچنے سے پہلے وہ پاکستان اور افغانستان کا دورہ مکمل کرچکے تھے اور ان کی موجودگی میں ہی پاکستان کے وزیر رحمٰن ملک نے اس کا اعلان کیا تھا کہ ۲۶ر نومبر کو ممبئی پر جو حملے کئے گئے تھے اس میں نہ صرف پاکستانی عناصر کا ہاتھ تھا بلکہ اس کے لئے پاکستان کی سرزمین بھی استعمال کی گئی تھی۔ پاکستان میں اپنے چار روزہ قیام کے دوران انہوں نے صدر پاکستان آصف علی زرداری، وزیر اعظم پاکستان یوسف رضا گیلانی اور پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل اشفاق کیانی کے ساتھ تفصیلی ملاقات کی تھی، اس کے بعد وہ افغانستان گئے جہاں افغان صدر حامد کرزئی اور دوسرے اعلیٰ سرکاری حکام کے ساتھ ان کی مفصل بات چیت ہوئی تھی، کابل کے بعد وہ نئی دہلی پہنچے۔ حالانکہ پہلے سے یہاں کے پروگرام میں شامل نہیں تھا اور نہ ہی ان کے مشن میں ہندوستان کو شامل کیا گیا ہے لیکن علاقائی صورت حال کچھ ایسی ہے کہ ہندوستان کو ان کے لئے نظر انداز کرنا ممکن نہیں رہا۔ سیکورٹی کے لحاظ سے یہ تینوں ہمسایہ ممالک ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پیوست ہیں کہ ان کو جدا کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ نئی دہلی کے موقف کو بھی معلوم کیا جائے اور براہ راست معلومات حاصل کی جائیں۔ چونکہ ان کا دورہ ۲۶ر نومبر کے واقعات کے بعد ہورہا ہے اور ۲۶ر نومبر کے واقعات نے ان تینوں پڑوسی ملکوں کو ایک دوسرے میں پیوست کردیا ہے۔

یہاں انہوں نے وزیر خارجہ پرنب مکھرجی کے علاوہ سلامتی کے قومی مشیر ایم کے نارائنن اور خارجہ سکریٹری شیوشنکر مینن سے بھی تبادلۂ خیال کیا۔ اخبارنویسوں کو انہوں نے یہ بتایا کہ وہ کوئی واضح ہدایات یا پیغام لے کر نہیں آئے ہیں بلکہ اُن کے دورے کا مقصد مختلف متعلقہ امور پر ہندوستان کے موقف سے آگاہی حاصل کرنا ہے، بتایا جاتا ہے کہ ان کے دورے کا مقصد اس کے امکانات پر غور کرنا اور جائزہ لینا ہے کہ طالبان کا مقابلہ مل کر کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ اور اس میں ہندوستان کا کیا کردار ہوسکتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ طالبان تینوں ملکوں کے مشترکہ دشمن ہیں اور تینوں کو ان سے سیدھا خطرہ ہے اس کا واضح اشارہ ہے کہ اس کے لئے مشترکہ حکمت عملی بنائی جانی چاہئے۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ اس دورے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہندوستان کو بھی دہشت گردی کے خلاف جاری عالمی مہم کا حصہ بنایا جائے، پاکستان جس کا پہلے ہی سے ایک حصہ بنا ہوا ہے، ایک بات یہ بھی کہی جارہی ہے کہ مسٹر ہال بروک ہندوستانی لیڈروں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ انہیں پاکستان کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے تاکہ حکومت پاکستان نے جو ابتدائی کارروائیاں کی ہیں انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا جاسکے۔ دریں اثنا واشنگٹن پوسٹ نے اس موقع سے یہ خبر دی ہے کہ سی آئی اے نے ہندوستان اور پاکستان کو انٹلی جنس کی سطح پر معلومات کے تبادلے پر آمادہ کرنے اور دونوں کو قریب لانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس تناظر میں پاکستان کے صدر آصف علی زرداری کا وہ بیان کافی اہمیت کا حامل ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ طالبان پاکستان پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ انہوں نے یہ خبر بھی دی ہے کہ پاکستان کے بہت بڑے حصے پر عملاً ان کا کنٹرول ہے اور اب وہ پورے ملک پر قابض ہونا چاہتے ہیں گویا وہ دنیا کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ طالبان، پاکستان کے لئے فی الواقع ایک خطرہ بن چکے ہیں۔ یہ بھی نہایت درجہ اہمیت کی حامل بات ہے کہ یہ سب کچھ انہوں نے ایک امریکی ٹی وی چینل کو دیئے گئے انٹرویو کے دوران کہی ہے۔ انہوں نے واضح لفظوں میں یہ بات کہی ہے کہ وہ اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ طالبان ریاست پاکستان پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں اس خطرے کو توجہ کا مستحق نہیں سمجھا گیا اور ہر کسی نے اس کو نظر انداز کیا۔ انہوں نے کہا کہ طالبان ان کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھا رہے ہیں انہوں نے کہا کہ آج پاکستان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔ اس کی لڑائی کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ ان کی یہ بات اس لحاظ سے بھی امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں کے لئے باعث تشویش ہے کہ پاکستان اب جوہری طاقت کا حامل

باقی صفحہ ۶ پر

بلاتبصرہ

افغانستان اور پاکستان کے لئے امریکی صدر کے خصوصی ایلچی کا یہ بیان پڑھا کہ امریکہ، ہندوستان اور پاکستان کو ایک ہی دشمن کا مقابلہ ہے۔ یہاں وہ یہ بات بھول گئے یہ دشمن انہی کا یعنی امریکہ کا پروردہ ہے جس کو اس نے سوویت یونین کے خلاف ۱۹۸۰ء کی دہائی میں کھڑا کیا تھا۔ گیارہ ستمبر کے بعد امریکہ نے ایک بھاری غلطی افغانستان کے خلاف فوج کشی کی صورت میں کی۔ یہ علاقہ نسلی اور قبائلی جنگ کے لئے مشہور ہے۔ افغانستان امریکہ کے لئے ویتنام بنتا جارہا ہے۔ اس لئے اس کے حق میں بہترین ہے کہ وہ یہاں سے اپنی فوج واپس بلالے خواہ اس کی وجہ سے اسے ہارنے والا ہی کیوں نہ کہا جائے۔

پی، ایا کی موتھو، ادن گوڈی
ہندو، ۱۸ر فروری ۲۰۰۹ء

خبر ونظر

پاکستان کے اقرار کے بعد

پاکستان کے اس اقرار کے بعد کہ ممبئی پر حملے کی سازش اس کی سرزمین پر تیار کی گئی تھی اور حملہ آور پاکستانی تھے، یہ عقدہ بڑی حد تک کھل گیا کہ پاکستان نے یہ کارروائی کیوں کی۔ ابھی تک حکومت ہند اور میڈیا کی جانب سے اس معاملہ میں پاکستان کو ذمہ دار قرار دیا جارہا تھا، امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل بھی حکومتِ ہند کے موقف کی تائید کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف بیانات دے رہے تھے تو بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ پاکستان آخر یہ احمقانہ کارروائی کیوں کرسکتا ہے۔ محض دس افراد کو سمندر پار بھیج کر ایک بین الاقوامی شہرت کے شہر کی چار عمارتوں پر حملے کروانا، کسی نادان ملک یا پاگل گروہ ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے نتائج پہلے ہی معلوم تھے۔ منصوبہ بنانے والے خوب جانتے تھے کہ حملہ آور مارے جائیں گے، پاکستان کو ذمہ دار قرار دے کر ساری دنیا کو اس کے خلاف کردیا جائے گا۔ ہندو دہشت گردی کے جو حقائق تیزی سے سامنے آرہے تھے ان پر اچانک بریک لگ جائے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اسلام اور اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کی کوششیں تیز تر ہوجائیں گی۔ اس لئے یہ کام پاکستان یا کسی مسلم گروپ کا ہو ہی نہیں سکتا۔ یقیناً اسلام دشمن قوتوں کا ہوگا اس لئے کہ اس سے نقصان مسلمانوں کو اور فائدہ ان کے کھلے دشمنوں کو پہنچا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی

لیکن اب پاکستان کے ”اقبال جرم“ کے بعد پوری بات سمجھ میں آگئی۔ یاد آگیا کہ پاکستان کی حکومت بھی اُس مہم میں شریک اور حلیف ہے جو ۱۱ر ستمبر کے واقعات کے بعد امریکہ نے ”وار آن ٹیرر“ کے عنوان سے پوری دنیا میں چھیڑ رکھی ہے لیکن فی الحقیقت یہ وار آن اسلام ہے۔ اور یہ بات پاکستان کے اس وقت کے حکمراں اچھی طرح جانتے تھے، آج کے حکمراں بھی جانتے ہیں۔ اُس وقت سے پاکستان امریکہ کے زبردست دباؤ میں ہے اور اب وہ دباؤ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ پاکستانی حکومت ہندوستانی ثبوتوں کی تصدیق اتنی آسانی سے نہ کرتی اگر اس پر امریکی دباؤ نہ ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کی حکومت امریکہ کے سیاسی کھیل کا محض ایک کردار ہے۔ امریکہ اسے جو حکم دیتا ہے، بجالاتی ہے۔ امریکہ نے اس سے کہا ہوگا اپنے دس نوجوان بھیج کر بھارت پر ”حملہ“ کرو۔ اس نے تعمیل کی۔ پھر کہا ہوگا اب بھارت کے تمام الزامات قبول کرکے ”ثبوتوں“ کی تصدیق کرو، حکومت پاکستان نے ایسا ہی کیا۔ امریکہ نے حکم دیا اپنے یہاں کے فلاں اور فلاں گروپوں پر شکنجہ کس دو، پاکستانی حکومت نے کس دیا۔ امریکہ نے کہا ”عراق سے نکل کر اب ہم پاک-افغان سرحد کو مرکز جنگ بنانا چاہتے ہیں۔ اور تمہاری آبادی پر فضائی حملہ اس کی علامت ہے۔“ پاکستان نے زبان حال سے کہا ”خیر مقدم ہے۔“

یہ وفاداری قابل فہم ہے

امریکہ کے ساتھ پاکستان کے موجودہ حکمرانوں کی یہ بے داغ وفاداری، ان کی ماضی کی سیاست کو دیکھتے ہوئے، قابل فہم ہے۔ یہ حقیقت کہ پاکستان اب امریکہ کی ”دہشت گردی مخالف“ جنگ میں سرگرم رول ادا کرنا چاہتا ہے، رچرڈ ہولبروک کے اس بیان سے بالکل عیاں ہے کہ ”طالبان تینوں ملکوں، امریکہ، انڈیا اور پاکستان کے دشمن ہیں اور ان تینوں ملکوں کو ان سے مشترک طور پر لڑنا ہوگا۔“ اس سے دو دن قبل پاکستانی صدر نے یہ بیان دے کر کہ ”طالبان پاکستان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔“ پہلے ہی اپنی آمادگی ظاہر کردی تھی۔ ہول بروک پاکستان اور افغانستان کے لئے امریکہ کے ”خصوصی ایلچی“ ہیں —— سعادت مندی ملاحظہ ہو کہ پاکستان نے امریکہ سے یہ تک نہ پوچھا کہ ”بھاری اسلحہ سے مسلح ہوکر دس افراد کا گجرات کے ساحل پر جانا، پھر وہاں کشتی بدل کر ممبئی کے ساحل پر پہنچنا کیسے ممکن ہوگا؟“ یا ممکن ہے پوچھا ہو تو امریکہ نے یقین دلایا ہوگا ”سب انتظام ہوجائے گا۔“ اسے محض قیاس آرائی کہہ کر مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ پورے سلسلہ واقعات پر غور کرنے سے کہانی کچھ یہی بنتی ہے۔ سب سے دلچسپ کردار پاکستانیوں کا ہے جنہوں نے ایک احمقانہ کارروائی کرکے انڈیا امریکہ اسرائیل اور برطانیہ کو کھلی دعوت دے دی کہ آؤ ہمیں مارو۔ (پ ر)

گجرات میں خوشحالی یہ ہے تو بدحالی کیا ہوگی؟

کارپوریٹ خاندان اور بڑے بڑے صنعتی گھرانوں نے گجرات کے قاتل انسانیت وزیر اعلیٰ نریندر مودی کو مستقبل کا وزیر اعظم بھارت بنانے کے عزم کا اعلان کردیا ہے۔ مختلف حلقوں کی طرف سے مودی کی سربراہی میں گجرات کے خوشحال ہونے کے بلند بانگ دعوے کئے جارہے ہیں۔ کانگریس حکومت کے مختلف محکمے بھی مودی کی تعریف کے گیت گاتے دیکھے گئے ہیں۔ رتن ٹاٹا اور امبانی گجرات کو پورے ملک میں سب سے زیادہ خوشحال اور ترقی یافتہ ریاست کے طور پر دیکھ رہے ہیں جب کہ عملی دنیا میں عالم یہ ہے کہ لیبر منسٹری کے ایک حالیہ سروے کے مطابق ستمبر ۲۰۰۸ء میں لیہہ مین برادرس کے زوال کے بعد کے محض دو ماہ میں کم از کم پانچ لاکھ بھارتی ورکر روزگار سے محروم ہوچکے ہیں جن میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والے ورکر ہیروں اور زیورات کے سیکٹر سے تعلق رکھتے ہیں۔ بھارت کی لیبر فورس تقریباً ۹۳ فیصد غیر منظم سیکٹر میں ہے جس کو کسی قسم کی سوشل سیکیوریٹی میسر نہیں ہے۔ لیبر منسٹری کے جائزہ میں گجرات کے صرف ایک شہر سورت کے حوالہ سے کچھ بنیادی حقائق پیش کئے گئے ہیں جو ہیروں اور زیورات کے یونٹوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہ جائزہ ضلع کلکٹر، پولیس کمشنر اور گجرات انتظامیہ کے ساتھ صلاح ومشورہ کے بعد لیا گیا ہے جس میں سامنے آنے والے حقائق گزشتہ ماہ وزیر اعظم آفس کو پیش کئے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ روزگار سے محرومی کے ملک کی معیشت پر بہت برے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ بیشتر ہیروں اور زیورات کی اکائیاں دیوالی کے بعد سے کھلی ہی نہیں ہیں یا کم از کم نارمل حالت میں کام کرنے سے محروم رہی ہیں۔ سورت کے ڈھائی تین ہزار ہیروں اور زیورات کے یونٹوں میں چار لاکھ سے زیادہ لوگوں کو روزگار دستیاب تھے جن میں سے اب نصف سے زیادہ ورکر روزگار سے محروم ہوچکے ہیں۔ گزشتہ تین ماہ میں ۴۰ سے زیادہ ایسے بے روزگار افراد خودکشی کرچکے ہیں۔ لوگ اپنے زیر تعلیم بچوں کی اسکولوں کی فیس ادا نہیں کرپارہے ہیں۔ قرض لینا چاہتے ہیں تو کوئی قرض دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا کتنے بچے اسکول چھوڑنے پر مجبور ہوچکے ہیں۔ لوگ اپنے گھربار۔ مکان اور کھیت وغیرہ رہن رکھنے یا اونے پونے داموں میں فروخت کرنے پر مجبور ہیں۔

جو مارکیٹیں گراہکوں اور سازوسامان سے بھری ہوتی تھیں آج ان پر سناٹا طاری ہے۔ کتنی دکانیں کئی کئی مہینے سے کھلی ہی نہیں ہیں امریلی ضلع ڈائمنڈ ایسوسی ایشن کے صدر اور گجرات ڈائمنڈ فیڈریشن کے ترجمان للت تھر کا کہنا ہے۔ چند ماہ قبل تک امریلی میں ہیروں اور جواہرات پر پالش کا کام کرنے والی ۱۴۵۱ اکائیاں تھیں جن میں ۶۰ ہزار سے زیادہ لوگ کام کرتے تھے۔ ان میں سے اب صرف ۲۲۳ اکائیاں چل رہی ہیں وہ بھی بہت معمولی طور پر۔ ۵۷ ہزار سے زیادہ لوگ روزگار سے محروم ہوچکے ہیں۔ جہاں ان کی اپنی اکائی ہے صرف اس سڑک پر ۲۵۹ اکائیاں تھیں ان میں سے اس وقت صرف چھ کھلی ہوئی ہیں۔ چھ ماہ قبل تک اس انڈسٹری سے گجرات کو ۱۵ ارب روپے سالانہ کا ٹرن اوور ہوتا تھا جس میں ۸ لاکھ سے زیادہ افراد کو روزگار ملا ہوا تھا۔ یہ پوری دنیا کے ڈائمنڈ کاروبار کا ۷۲ فیصد اور بھارت کے ڈائمنڈ ایکسپورٹ کا ۸۵ فیصد تھا جو گزشتہ سال ملک کے غیر ملکی سرمایہ کا ۱۳.۴ فیصد تھا۔ ڈائمنڈ

باقی صفحہ ۶ پر

سعودی انٹلی جنس چیف کا دورہ شام

دمشق-شام کے صدر بشیر الاسد نے سعودی عرب کے انٹلی جنس چیف شہزادہ مقرین بن عبدالعزیز سے ملاقات کی۔ دونوں ملکوں کے درمیان اعلیٰ سطح پر یہ ملاقات کافی اہم ہے کیونکہ ان کے درمیان عرب اور علاقائی مسائل پر اکثر اختلاف رہا ہے۔ ملاقات کے دوران شہزادہ نے صدر شام کو سعودی شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کا ایک پیغام دیا جس میں باہمی تعلقات، صلاح ومشورہ اور دونوں ملکوں کے درمیان تال میل پر زور دیا گیا۔ اس سے قبل کویت میں دونوں ملکوں کے سربراہوں کے درمیان مختصر ملاقات ہوئی جب غزہ پر اسرائیلی حملے پر عرب سربراہ کانفرنس ہوئی تھی۔

شام کیخلاف امریکی پابندی میں نرمی

دمشق-امریکہ نے شام کے خلاف طویل عرصے سے عائد اقتصادی پابندیاں نرم کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ واشنگٹن میں متعین شامی سفیر عماد مصطفیٰ نے یہاں نامہ نگاروں کو بتایا کہ امریکی محکمہ خزانہ نے شام کی مخیر تنظیم کو امریکہ میں جمع کئے گئے پانچ لاکھ ڈالر امریکہ سے شام بھیجنے کی اجازت دی ہے۔ یہ پہلا موقع ہے جب امریکہ نے کسی شامی تنظیم کو رقم بھیجنے کی اجازت دی ہے۔ جو بچوں اور سرطان کے مریضوں پر خرچ کی جائے گی۔

ریفرنڈم شاویز کے حق میں

کراکس- جنوبی امریکی ملک وینزویلا کے عوام نے ۱۵ر فروری کو ہوئے ریفرنڈم میں مدت اقتدار کی حد ختم کرنے کے حق میں ووٹ دے کر صدر ہیوگو شاویز کے دوبارہ انتخاب کی راہ ہموار کردی ہے۔ واضح رہے کہ وینزویلا کے آئین کے مطابق صدر کے عہدے کے لئے ایک شخص زیادہ سے زیادہ دو بار ۶-۶ برس کے لئے صدر منتخب ہوسکتا ہے اور صدر شاویز کی مدت صدارت ۲۰۱۲ء میں ختم ہوگی۔ انہوں نے پہلے ہی کہہ دیا کہ ملک کے سوشلسٹ انقلاب کے تحفظ کے لئے ان کا اقتدار میں رہنا ضروری ہے۔ اب اس ریفرنڈم کے ذریعہ جسے عالمی مبصرین نے منصفانہ اور شفاف بتایا ہے، صدارتی الیکشن میں ان کے پھر سے کھڑے ہونے کی راہ ہموار کردی ہے۔ انتخابی کونسل آفس کے سربراہ تیبسے لوسنیا کا کہنا ہے کہ ایک کروڑ ۷۰ لاکھ ووٹرس میں سے ایک کروڑ دس لاکھ ووٹرس نے ووٹ ڈالا تھا۔

ممبئی حملوں وسمجھوتہ دھماکوں میں مماثلت

اسلام آباد- اخبار ”ڈان“ کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے ملتان میں نامہ نگاروں سے کہا کہ ۲۰۰۷ء میں پانی پت کے نزدیک سمجھوتہ ایکسپریس میں ہوئے دھماکوں اور گزشتہ سال نومبر میں ہوئے ممبئی حملوں کے تار آپس میں جڑے ہیں اور جانچ ابھی جاری رہ سکتی ہے جب ہندوستان پاکستان کے سوالوں کا جواب دے۔

عالمی حدت میں خطرناک اضافہ

شکاگو- آب وہوا کے تغیر سے متعلق ۲۰۰۷ء کی ایک اہم رپورٹ مرتب کرنے والے سائنسداں پروفیسر کرس فیلڈ نے خبردار کیا ہے کہ اگلی صدی کے دوران گلوبل وارمنگ یا عالمی حدت بڑھنے کی رفتار گزشتہ اندازوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ کیونکہ گرین ہاؤز گیس (زہریلی گیس) کا اخراج پچھلے اندازوں سے کہیں زیادہ ہورہا ہے۔ اس لئے اگلی صدی میں درجہ حرارت 1.1C اور 6.4C تک بڑھ سکتا ہے۔ پروفیسر فیلڈ نے خبردار کیا ہے کہ بروقت کارروائی نہ کئے جانے کی صورت میں موسمیاتی تغیر ایک ایسے مسئلہ کی شکل اختیار کرلے گا جس سے نمٹنا نہایت مشکل ہوگا۔

مسلمانوں کو اسکیموں کی نہیں پالیسیوں کی ضرورت ہے

سید زاہد علیگ

عام انتخابات کے پیش نظر سیاسی جماعتوں کے لیے موقع ہے کہ وہ مسلم مسائل کو انتخابی ایجنڈے میں شامل کر کے مسلمانوں کا بھروسہ اور ووٹ حاصل کرسکیں۔ اندازہ یہ ہے کہ جب سیاسی نشستوں میں مسلم مسائل کا ذکر ہوگا تو لازماً سچر کمیٹی پر رپورٹ پر توجہات مرکوز ہوں گی کیوں کہ مسلمانوں کے عام مسائل کا جائزہ لے کر تیار کی گئی سچر کمیٹی رپورٹ سے بہتر کوئی رپورٹ خود مسلمانوں کے پاس بھی نہیں ہے۔ اس موقع پر ضروری ہے کہ مسلم سیاسی رہنما نہ صرف سچر کمیٹی رپورٹ کی سفارشات کا جائزہ لیں بلکہ غور کریں کہ کون سے ایسے اہم مسائل ہیں جن کو سچر کمیٹی نے نظر انداز کیا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ سچر کمیٹی رپورٹ میں مسلمانوں کی بہتری کے لیے دو طرح کی سفارشات کی گئی تھیں۔ کچھ سفارشات پالیسیوں کے متعلق تھیں تو دیگر سفارشات اسکیموں کے متعلق تھیں اور کمیٹی نے یہ بھی واضح کیا تھا کہ اگر دونوں طرح کی سفارشات پر ایک ساتھ عمل نہیں کیا گیا تو مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہوسکتے۔ لیکن سرکار نے اس رپورٹ کی اشاعت سے لے کر اب تک صرف اسکیموں سے متعلق سفارشات پر عمل کیا ہے اور پالیسیوں سے متعلق سفارشات پر خاموش رہی۔ اب تک مسلم آبادی کے لحاظ سے کسی انتخابی حلقے کو مسلمانوں کے لیے مختص کرنے کی بات نہیں کی گئی ہے اور نہ مسلمانوں کے اوقاف پر سرکاری قبضہ ختم کرنے پر کچھ فیصلہ کیا گیا۔ ہر مسلمان یہ مانتا ہے کہ تعلیمی پسماندگی مسلمانوں کو سماجی اور معاشی پسماندگی کی طرف لے جارہی ہے اور غریب سے غریب تر مسلمان بھی اپنی اولاد کو پڑھانا چاہتا ہے لیکن غربت کی وجہ سے نہیں پڑھا رہا ہے۔ سرکاری طرف سے تعلیمی وظائف کی اسکیم ان غریبوں کے مسائل کا جواب نہیں ہے کیوں کہ وظائف سے اسکول کی فیس ادا کی جاسکتی ہے، اس گھر کا چولہا نہیں جلایا جاسکتا جہاں بچوں کی کمائی سے گھر کا خرچ چلتا ہو۔ ہمارے ملک میں کھیل کود کو آگے بڑھانے کے لیے تو وزیر مقرر ہیں مگر سطح غربت سے نیچے رہنے والوں کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوئی وزیر نہیں ہے جب کہ ملک کی 22 فیصد آبادی سطح غربت سے نیچے کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

سچر کمیٹی رپورٹ نے کئی اور مسلم مسائل پر روشنی ڈالی ہے جن پر اب بھی سرکار کی توجہ درکار ہے۔ سچر کمیٹی رپورٹ کے مطابق 31 فیصد مسلمان سطح غربت سے نیچے ہیں جب کہ شہری علاقوں میں 20 فیصد مسلمان بھی ملک کے اوسط معیار پر زندگی گزارنے کی حالت میں نہیں ہیں۔ ان غریبوں کے لیے سرکار کی جانب سے کوئی اسکیم نہیں بنی۔ اسی طرح 19 فیصد مسلمان جن کے کام کرنے کے لیے کوئی جگہ مقرر نہیں، ایسے لوگوں کو کوئی مدد دلانے کی بجائے سرکار شہروں کی ترقی کے نام پر ایسے غریبوں کو شہروں میں کاروبار کرنے سے روکتی ہے اور پھیری کرنے والوں کا سامان بھی چھین لیتی ہے۔ ملک کے 14 فیصد مسلمان جو بے روزگاری کا شکار ہیں، ان کے لیے کوئی اسکیم نہیں بنائی گئی۔ ملک کے 39 فیصد مسلمان جو گھریلو سیکٹر میں خود روزگار سے لگے ہوئے ہیں ان کی کاروباری ترقی کے لیے سرکار کی جانب سے کسی طرح کی امداد کی امید کون کرے جب غیر سودی بینک کاری کے قانون کے لیے ہی سرکار خاموش ہے۔

سچر کمیٹی رپورٹ میں تو کہا گیا ہے کہ ملک کے جیلوں میں مسلمانوں کا تناسب زیادہ ہے مگر اب تک سرکار نے اس بابت کوئی کوشش نہیں کہ کس طرح مسلمانوں کو جرائم سے روکا جائے؟ مسلمان کن حالات میں جرم کے مرتکب ہورہے ہیں اور وہ کیا اسباب ہیں کہ دوسرے لوگ بڑے بڑے جرائم کر کے آسانی سے چھوٹ جاتے ہیں اور مسلمان چھوٹے کیسوں میں پھنسا کر جیلوں میں ٹھونس دیے جاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی وہ تھانوں سے بری ہوکر یا ضمانت پر چھوٹ کر جیل جانے سے نہیں بچ پاتے۔ اس پر کوئی غور کرنے کو تیار نہیں۔ آخر کیوں مسلم تنظیموں کی قوت بڑھانے کی بجائے انہیں دہشت گردوں کی پناہ گاہ کے الزام کا سامنا کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے؟ ماہرین معاشیات خوب جانتے ہیں کہ قوم کی ترقی کے لیے قومی تنظیموں کی بہتر کارکردگی بہت ضروری ہے۔ جب تک مسلم تنظیمیں بہتر نہیں ہوں گی، مسلم سماج بہتر نہیں ہوسکتا۔ حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ نہ سچر کمیٹی نے مسلم تنظیموں کا کوئی جائزہ لیا نہ ان کو بہتر بنانے کی کوئی تجویز پیش کی اور نہ ہی سرکار نے کسی بھی مسلم فلاحی اسکیم کو کسی مسلم تنظیم سے جوڑا۔ آخر کیوں سرکار مسلمانوں سے متعلق اسکیموں کو مسلم تنظیموں کے ذریعہ نافذ کرانے کی پیشکش نہیں کرتی جس سے نہ صرف مسلم تنظیموں کی کارکردگی بہتر ہو بلکہ کم خرچ میں ان اسکیموں پر اچھی طرح عمل ہو؟ آخر کیوں سرکار مسلم تنظیموں کو بہتر بنانے کے لیے فکر مند نہیں ہے؟

سچر کمیٹی رپورٹ نے مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی کو تو خوب بیان کیا اور اس بات کی طرف بھی اچھی طرح نشان دہی کی ہے کہ کس طرح مسلمان سرکاری نوکریوں میں پیچھے ہیں۔ کمیٹی نے یہ بھی بتایا کہ مسلمان مالی تنگی کے شکار ہیں اور سرکاری مدد مسلمانوں تک پہنچ نہیں رہی ہے۔ لیکن کمیٹی نے کس طرح سرکار کی خامیوں کو چھپا کر مسلمانوں کی پسماندگی کے لیے خود مسلمانوں کو ہی ذمہ دار قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً سچر کمیٹی نے یہ کیوں نہیں لکھا کہ کیوں مسلمانوں کی فلاح کے لیے چلائے جارہے اداروں میں مسلم ملازم نہیں کے برابر ہیں، کیوں اقتصادی امور کی پالیسیاں تیار کرنے میں مسلمانوں کو شریک نہیں کیا جاتا؟ اور جو مسلمان ان شعبوں میں ملازم ہیں وہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے تعاون کرنے، انہیں آگے بڑھانے اور ان کو عروج سے ہمکنار کرنے کے لیے سہولتیں فراہم کرنے کی بجائے اپنے سرکاری آقاؤں کو خوش کرنے اور زیادہ سے زیادہ فنڈ واپس کرنے پر اپنی توجہ اور زور صرف کرتے ہیں؟

سچر کمیٹی نے اس پر تو زور دیا کہ مسلمانوں کی شرکت سیاست میں کم ہے اور آئی اے ایس (IAS) میں مسلمان بہت کم ہیں، مگر کمیٹی نے اس بارے میں کوئی تجویز پیش نہیں کی کہ کس طرح آر بی آئی میں مسلمانوں کی ملازمت ایک فیصد سے بھی کم ہونے کی وجہ سے مسلمان مالیاتی سیکٹر میں پریشان ہیں۔ سرکاری عملہ جو پالیسیاں تیار کرتا ہے اس میں مسلمانوں کی شرکت نہ کے برابر ہونے کی وجہ سے مسلم مسائل کو سامنے رکھ کر پالیسیاں تیار نہیں کی جاتیں۔ رپورٹ میں اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی کہ کس طرح اقتصادی امور کی پالیسیاں مسلمانوں کے خلاف ہیں جس سے مسلمانوں کو نقصان ہورہا ہے۔

جتنی رقم تمام بینکوں میں جمع ہے اس سے کہیں زیادہ سرمایہ اسٹاک مارکٹ کے ذریعے کارپوریٹ سیکٹر کو دستیاب ہے۔ کیوں سچر کمیٹی نے اس بابت حقائق جمع نہیں کیے کہ مسلمان اسٹاک مارکٹ میں کتنا سرمایہ لگاتے ہیں اور اسٹاک مارکٹ سے کتنا سرمایہ حاصل کرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ملک کے کارپوریٹ سیکٹر کے لیے اسٹاک مارکٹ ہے جہاں سے ان کو غیر سودی سرمایہ دستیاب ہوتا ہے لیکن 95 فیصد کام گار جو غیر منظم سیکٹر سے جڑے ہوئے ہیں ان کو غیر سودی سرمایہ فراہم کرانے کے لیے نہ کوئی اسٹاک مارکٹ ہے اور نہ کوئی بینک۔ اسٹاک مارکٹ میں سرمایہ کاری کے نام پر غریبوں کی جمع پونجی کا استعمال بھی کارپوریٹ سیکٹر ہی کر رہا ہے۔ اسٹاک مارکٹ میں مندی آئی تو اسلامک فائننس (Islamic Finance) کے نام پر بھی میوچول فنڈس (Mutual Funds) لائے جارہے ہیں تاکہ مسلمانوں کی جمع رقم بھی کارپوریٹ سیکٹر کے کام آسکے۔ جب کہ اسلامک بینکنگ کی بات آتی ہے تو بینکنگ کا قانون آڑے آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسٹاک مارکٹ میں اسلام کا نام اس لیے چل سکتا ہے کہ مسلمانوں کا سرمایہ کارپوریٹ سیکٹر کو ملتا ہے مگر بینکنگ سیکٹر میں اسلام کا نام نہیں چل سکتا کیونکہ مسلمانوں کی جمع رقم مسلمانوں کے ہی کام آئے گی۔

مسلمان اپنی رقم تو کسی طرح بینکوں میں جمع کرتے ہیں مگر سود پر قرض لینے میں قباحت محسوس کرتے ہیں۔ سچر کمیٹی نے اول تو اپنی رپورٹ میں تمام بینکوں کے اعداد و شمار نہیں دیے، صرف انفرادی جمع رقم کا جائزہ لیا جو بینکوں کی کل جمع رقم کا بہت چھوٹا حصہ ہے۔ اس کے بعد بھی اگر اس رپورٹ کی روشنی میں مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیں تو حیرت انگیز صورت حال سامنے آتی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق مسلمان بینکوں میں انفرادی طور پر جمع رقم میں اگر 7 فیصد حصہ رکھتے ہیں تو قرض میں ان کی حصہ داری 4 فیصد ہے۔ سیڈبی (SIDBI) سے ملنے والے قرض میں تو آدھا فیصد بھی نہیں ہے۔ اب اگر بینکوں میں رقم جمع کرانے (Savings) اور قرض لینے (PSA) کے اس تناسب کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بینکوں میں جمع رقم کا لگ بھگ 29 فیصد مسلمانوں کی بجائے غیر قوموں کو دیا جاتا ہے جب کہ مسلمان دیگر قوموں کے مقابلے میں زیادہ غریب اور سرمایہ کے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ اگر اسی تناسب کو ملک کے تمام بینکوں کی تمام تر جمع رقم اور قرضہ جات پر لگایا جائے تو ہر سال مسلمانوں کی جمع رقم میں سے 64,770 کروڑ روپیہ مسلمانوں کی بجائے دیگر قوموں کو دیا جارہا ہے۔ اتنی رقم اگر مسلمانوں کو مل جاتی تو ہندوستانی مسلمان کہیں بہتر حال میں ہوتے۔ مگر اس طرف نہ سچر کمیٹی نے کوئی روشنی ڈالی اور نہ ہی کسی سیاسی جماعت نے اس طرف توجہ دی۔ کیا کوئی یہ نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کی معاشی تنگی ختم ہو؟ کیوں اب تک مسلمانوں کی ضرورت کو سامنے رکھ کر اقتصادی پالیسی تیار نہیں کی گئی۔ جب بھی سرکار مسلم مسائل پر غور کرتی ہے اسکیموں میں بات الجھ کر رہ جاتی ہے، کبھی پالیسیوں پر غور کرنے کی نوبت نہیں آتی۔

اس لیے اب مسلم رہنماؤں کو چاہیے کہ سیاسی جماعتوں سے انتخابات سے پہلے مندرجہ ذیل حقائق کو سامنے رکھ کر اسکیموں کی بجائے پالیسیوں پر بات کرنے کی کوشش کریں اگر اقتصادی پالیسیاں مسلمانوں کے موافق کردی جائیں تو مسلمانوں کو کسی اسکیم کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ مسلمان اس ملک کو سپر پاور (Super Power) بنانے میں سب سے اہم کردار ادا کرے گا۔

نوٹ: اعداد و شمار کے لیے سچر کمیٹی رپورٹ، آر بی آئی کی سالانہ رپورٹ 2008 اور مرکزی حکومت کے سالانہ بجٹ 2008 کا سہارا لیا گیا ہے۔

اب ان حقائق کی روشنی میں سیاسی جماعتوں سے بات کریں کہ مسلمانوں کو مرکزی حکومت کی جانب سے کل 4,770 کروڑ روپیوں کی بھی امداد نہیں مل رہی ہے اور سالانہ مسلمانوں کا لگ بھگ 64,770 کروڑ روپیوں کا نقصان ہورہا ہے تو کیوں مسلمانوں کی مالی ضروریات کو دیکھتے ہوئے مناسب پالیسی تیار نہیں کی جاتی تاکہ ملک کا مسلمان اپنی جمع رقم کا صحیح استعمال کرسکے اور معاشی پسماندگی سے باہر آسکے۔ اب مسلمانوں کو چاہیے کہ سرکار اور سیاسی جماعتوں سے کہہ دیں کہ وہ چاہیں تو تمام اسکیمیں واپس لے لیں مگر مسلمانوں کے لیے غیر سودی بینک کاری کی پالیسی کو منظور کریں تاکہ مسلمان اسکیموں کی بھیک مانگنے کی بجائے خود اپنی جمع رقم سے اپنی معاشی ترقی کے منصوبے پر عمل کرسکیں۔ مسلمان کوئی بھکاری قوم نہیں بلکہ اس ملک کی دوسری سب سے بڑی قوم ہے جسے جمہوری قانون کے لحاظ سے اپنا حق ملنا ہی چاہیے ورنہ ملک کا توازن ہمیشہ بگڑا رہے گا۔ ●▫●

مسلمانوں کے لیے سرکاری ادارے یا اسکیمیں	رقم (کروڑ روپیوں میں)
وزارت برائے اقلیت	1,000
مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن کی کل ملکیت	250
این ایم ڈی ایف سی (NMDFC)	750
90 اقلیتی اضلاع میں ترقی کے لیے رقم	540
مدرسوں کی ترقی پر خرچ	45
تعلیمی وظائف (وزارت برائے اقلیت)	1,400
سینٹرل وقف کاؤنسل اور دیگر مرکزی ادارے	785
اقلیتوں پر خرچ ہونے والی کل رقم	4,770 کروڑ روپیہ
بینکوں میں جمع رقم اور قرضہ جات	**رقم (کروڑ روپیوں میں)**
ملک کی تمام بینکوں میں کل جمع رقم	31,96,939
مسلمانوں کی متوقع جمع رقم (4-7 فیصد)	2,36,573
بینکوں کے ذریعہ دیے گئے کل قرضہ جات	23,61,914
مسلمانوں کو ملنے والی مطلوبہ قرضہ جات کی رقم	1,74,780
تمام قرضہ جات اور تمام جمع رقم کا تناسب	73-88 فیصد
مسلمانوں کو ملے متوقع قرضہ جات (7-4 فیصد)	1,10,010
مسلمانوں کے لیے قرضہ جات اور جمع رقم کا تناسب	46-5 فیصد
مسلمانوں کو قرضہ جات کی شکل میں متوقع نقصان	64,770 کروڑ روپیہ

ریزرویشن کا مطالبہ
علیحدگی پسندی نہیں ہے

ملازمتوں، سیاسی ایوانوں، عوامی نمائندگی کے اداروں یا تعلیم گاہوں میں ریزرویشن دستور ہند کے ایک بنیادی تصور کو پورا کرنے کا وسیلہ ہے۔ یہ تصور انصاف اور مساوات کا ہے اور اس تصور کو یقینی بنانے کے لیے خود دستور میں یہ بندوبست کیا گیا ہے کہ جو طبقے یا افراد کسی کمزوری یا سبب سے مساوی مواقع پانے سے محروم رہ جارہے ہوں، ان کے لیے "افرمیٹیو ایکشن" (مثبت کارروائی) حکومت کے اوپر لازم ہے۔ چنانچہ یہ ریزرویشن اسی مثبت کارروائی کے بندوبست کے تحت ایک دستوری عمل ہے۔ دستور ہند چوں کہ شہریوں کے درمیان انصاف و مساوات کو یقینی بنانے کی کوشش کرتا ہے اس لیے یہ پہلو بھی یہیں سے نکلتا ہے کہ دستور کے مراعاتی بندوبست بھی ان تمام لوگوں اور طبقوں تک وسیع کیے جائیں جو ان کے حق دار ہیں۔ چنانچہ جب ہم مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کی بات کرتے ہیں تو یہ دستور سے ماوراء یا دستور کے لیے اجنبی کوئی تصور نہیں ہے اور جب ہم یہ بات کہتے ہیں کہ درج فہرست ذات وقبائل کے جو افراد اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں شامل ہوگئے ہوں یا خود مسلمانوں میں ایسے طبقات جو ان ذات وقبائل والے پیشوں سے وابستہ ہیں اور ان کی سماجی و معاشی حیثیت ان جیسی ہی ہے، انہیں بھی ریزرویشن کا فائدہ ملنا چاہیے تو یہ خود دستور کے بنیادی تصور کو پورا کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے۔

لیکن عجیب اور افسوسناک بات یہ ہے کہ ایک طبقہ مسلمانوں کے اس دستوری اور ناگزیر مطالبے کو ابھی تک علیحدگی پسندی سے تعبیر کرتا ہے اور اس طرح کی کسی بھی کوشش کی حوصلہ شکنی ضروری سمجھتا ہے۔ دہلی کے رام لیلا گراؤنڈ میں آل انڈیا ملی کونسل کے اجلاس کے حوالے سے معروف صحافی کلدیپ نیر نے بھی اپنے تازہ کالم میں یہ بات کہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کا مطالبہ علیحدگی پسندی اور تقسیم کی طرف لے جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوگا اور ایک قانونی بندوبست کو مساوی طریقے سے نافذ کرنے کی بات کا مطلب علیحدگی پسندی کیوں کر ہوسکتا ہے۔ کلدیپ نیر مسلمانوں کے دلت طبقات کو ریزرویشن کے زمرے میں شامل کیے جانے کے بھی مخالف ہیں اور اس کے لیے وہ دلیل دیتے ہیں خود اسلام کی اور مسلمانوں کے سماجی نظریے کی۔ اس بات سے قطع نظر کہ اسلام اور مسلمانوں کے سماجی نقطہ نظر کو سمجھنا اور اسے سامنے رکھ کر اپنی حکمت طے کرنا خود مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، اور اس حوالے سے مسلمانوں کے کسی موقف یا مطالبے کو مسترد کرنا، کسی منطقی مسئلے کو پیش کرنے سے زیادہ انہیں چڑانے کے مترادف ہے، یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ کلدیپ نیر یا ان کی طرح سوچنے والے لوگ مسلمانوں کو ایک مجموعی طبقے کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ رنگا رنگ ہندوستانی سماج میں مسلم طبقے سے جڑے ہوئے ہر مسئلے کو مذہبی رنگ میں ہی کیوں دیکھا جاتا ہے اور ہندو مسلم کے خانے میں کیوں رکھا جاتا ہے؟

جسٹس سچر کمیٹی کی رپورٹ سے یہ بات قوم کے سامنے واضح طور پر آگئی ہے کہ مسلمان مجموعی طور پر ایک پسماندہ طبقہ بن چکے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ سچر کمیٹی نے اپنی سفارشات میں راست طور پر مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کی بات کو شامل نہیں کیا ہے۔ لیکن سچر کمیٹی رپورٹ کی روشنی میں اقلیتوں کے لیے سفارشات وضع کرنے والے جسٹس رنگاناتھ مشرا کمیشن نے اقلیتوں کو 15 فیصد ریزرویشن دینے کی سفارش کی ہے اور اس میں سے دس فیصد مسلمانوں کے لیے مخصوص کرنے کی ضرورت بتائی ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اگر باقی پانچ فیصد کوٹے میں کچھ اسامیاں باقی رہ جائیں تو انہیں بھی مسلم امیدواروں سے بھرا جائے۔ حیرت انگیز طور پر مسٹر کلدیپ نیر نے سچر کمیٹی کا حوالہ دینے کے باوجود رنگاناتھ مشرا کمیشن کی رپورٹ کا تذکرہ نہیں کیا۔ یہ رپورٹ اگرچہ ابھی تک پارلیمنٹ میں پیش نہیں کی گئی ہے، لیکن اس کی سفارشات تو منظر عام پر آہی چکی ہیں۔

ایک اور بات جسے ریزرویشن کی مخالفت میں ایک نفسیاتی دلیل بنایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان بیساکھیوں کا سہارا کیوں لیں۔ مسٹر کلدیپ نیر نے بھی "بیساکھیاں نہیں مدد" دینے کی بات کہی ہے۔ لیکن یہ مدد کیا ہوسکتی ہے اور کس طرح دی جاسکتی ہے اس پر کوئی روشنی وہ نہیں ڈال سکے ہیں۔ بیساکھی پکڑنا یقیناً معذوری کی علامت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کسی معذور کی معذوری سے انکار کرنا کیا اس کے ساتھ انصاف کرنا ہے؟ اور کیا کسی معذور ہوجانے والے یا کردیے جانے والے شخص کی اس سے بہتر مدد کچھ ہوسکتی ہے کہ اسے خود چلنے کے قابل بنایا جائے۔ ریزرویشن کسی کے لیے بھی کوئی مستقل بندوبست نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک عارضی بندوبست ہے اور معذور و پسماندہ طبقات کو دوسروں کے برابر پہنچانے کے لیے ایک سہارا ہے۔ جب تمام طبقات اپنے بنیادی وسائل کے ساتھ برابر کی حیثیت میں آجائیں گے اور آزادانہ مقابلے کی قوت انہیں فراہم ہوجائے گی تو "مثبت کارروائی" کے اس بندوبست کی ضرورت نہیں رہے گی۔

چنانچہ ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کو تقسیم کا ایک پیش خیمہ سمجھنے والی بات کوئی واقعی اندیشہ یا دانشورانہ فکر کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ ریزرویشن کی مخالفت کے لیے اسے بس ایک جواز بنایا جاتا ہے۔ تقسیم اور علیحدگی پسندی عام دھارے سے الگ ہوجانے کے نتیجے میں ظاہر ہوتی ہے۔ مسلمان جن بہت سارے اسباب کی وجہ سے آج "Ghettoisation" کا شکار ہیں وہ اپنے آپ میں ایک سماجی تقسیم ہے اور مسلمان فی الواقع موجودہ حالت میں الگ تھلگ پڑے ہیں۔ یہ سماجی تقسیم ہی کسی بڑی سیاسی اور وطنی تقسیم کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ اس کے بجائے انہیں اگر مثبت کارروائی کے بندوبست کے ذریعے قوم کے عام دھارے میں لایا جائے، ہر جگہ ان کی موجودگی کو یقینی بنایا جائے، انہیں حصہ داری کا پورا احساس دلایا جائے تو یہ بات قومی اتحاد اور یکجہتی کو فروغ دینے کا ذریعہ بنے گی، نہ کہ تقسیم کا موجب ہوگی۔

(مضمون نگار آل انڈیا ملی کونسل کے جنرل سکریٹری ہیں)

بارک اوبامہ اور عالم اسلام

عالمگیر آفریدی

47 سالہ بارک حسین اوبامہ نے 20 جنوری کو امریکہ کے 44 ویں صدر کی حیثیت سے حلف اٹھالیا ہے۔ حلف برداری کی تقریب میں 20 لاکھ سے زائد افراد کی شدید ترین سردی کے باوجود شرکت اور کروڑوں افراد کا ان کی حلف برادری کی تقریب راہ راست ٹیلی ویژن پر دیکھنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ امریکی قوم اور پوری دنیا نے صدر بارک اوبامہ سے بے پناہ توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر وہ کیا توقعات ہیں جن کے باعث امریکی قوم اور پوری دنیا ان کے انتخاب کو ایک بہت بڑی تبدیلی سے تعبیر کر رہے ہیں۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنے سے پہلے اس بات کو بھی سمجھنا ضروری ہے کہ امریکی قوم اور دنیا نے ان سے تبدیلی کے حوالے سے جو توقعات وابستہ کر رکھی ہیں کیا اس حوالے سے ان کا نقطہ نظر ایک ہے یا پھر اس میں کوئی فرق ہی نہیں بلکہ بہت بڑا تضاد بھی پایا جاتا ہے۔ امریکہ ان دنوں جس معاشی بحران سے دوچار ہے ماضی قریب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان دنوں امریکہ کو ایک ٹریلین ڈالر کے مالیاتی خسارے کا سامنا ہے، امریکہ میں بیروزگاری کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے، تیسری دنیا میں تو غربت کے ہاتھوں خودکشیاں روز مرہ کا معمول ہیں لیکن اب اس مصیبت سے امریکہ جیسی دنیا کی واحد سپر پاور بھی محفوظ نہیں ہے۔ خبروں کے مطابق گزشتہ روز امریکی شہری نے غریبی اور بے روزگاری سے تنگ آکر اپنے پانچ بچوں سمیت خودکشی کر کے ہمیشہ کے لیے غربت اور بے روزگاری سے نجات پالی ہے۔ ایک امریکی شہری کا اپنے پانچ بچوں سمیت غربت یا بے روزگاری کے باعث خودکشی جیسا انتہائی قدم اٹھانا یقیناً پوری امریکی سوسائٹی کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ ہے۔

آج امریکہ کو معاشی بدحالی کے تھپڑ کیوں پڑ رہے ہیں اسکی واحد وجہ سابق امریکی صدر بش کی وہ جنونی پالیسیاں ہیں جن کے باعث امریکی معیشت دیوالیہ پن کے قریب پہنچ چکی ہے۔ ان ہی ناکام پالیسیوں کی وجہ سے امریکی عوام نے 4 نومبر 2008 کو نہ صرف ریپبلکن پارٹی کے صدارتی امیدوار کو حقارت سے مسترد کردیا بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر ایک سیاہ فام کو عہدہ صدارت پر بٹھا کر صدر بش کی ظالمانہ اور غیر منصفانہ پالیسیوں اور اقدامات کے خلاف عملاً علم بغاوت بھی بلند کردیا۔ امریکی عوام کی بارک اوبامہ سے تبدیلی کے حوالے سے جو توقعات ہیں ان میں سے زیادہ تر کا تعلق امریکہ کے معاشی مسائل سے ہے جبکہ بین الاقوامی دنیا اس تبدیلی کو امریکہ کے ہاتھوں عراق، صومالیہ، سوڈان، افغانستان اور فلسطین میں لاکھوں بے گناہ انسانوں کا خون ناحق بہائے جانے اور امریکہ کے نام نہاد ورلڈ آرڈر کے تناظر میں دیکھ رہی ہے۔ ایک سیاہ فام کی حیثیت سے بارک اوبامہ کے بطور امریکی صدر انتخاب کو امریکہ کی سوا دو سو سالہ تاریخ کا یقیناً ایک بہت بڑا واقعہ قرار دیا جاسکتا ہے، اسی وجہ سے امریکی عوام اور بالخصوص عالم اسلام نے بارک اوبامہ سے اپنے اپنے تناظر میں بہت ساری توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ چونکہ ان کی الیکشن مہم کا مرکزی نقطہ ہی تبدیلی کا نعرہ تھا اس لیے آج امریکی قوم اور پوری دنیا کی نگاہیں اس حوالے سے ان پر مرکوز ہیں۔ دنیا یقیناً فلسطین، عراق، افغانستان اور ایران کے حوالے سے امریکی طرز عمل میں تبدیلی کی منتظر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ بیل منڈھے چڑھ سکے گی۔

امریکی اسٹیبلشمنٹ جو کہ یہودیوں کے قبضے میں ہے کیا وہ بارک اوبامہ کو عالمی سطح پر کوئی بڑی حقیقی تبدیلی لانے کا اختیار دینے کے لیے تیار ہوسکتی ہے۔ حقائق اس کی مکمل نفی کرتے ہیں۔ بارک اوبامہ کو حلف اٹھائے ہوئے ابھی زیادہ دن بھی نہیں ہوئے لیکن مختلف بین الاقوامی مسائل پر نئی امریکی انتظامیہ کی جانب سے جو بیانات منظر عام پر آرہے ہیں وہ جلی حروف میں اس بات کا پیغام ہے کہ عالم اسلام کے لیے امریکہ کی بنیادی پالیسیاں وہی رہیں گی جو بش کے دور حکومت میں تھیں۔ البتہ ان میں بعض کاسمیٹکس تبدیلیاں ضرور ہوسکتی ہیں۔ نو منتخب صدر بارک اوبامہ نے محرم الحرام کے مقدس مہینے میں اسرائیل کی جانب سے غزہ میں برپا کیے جانے والے کربلا پر جس طرح پراسرار خاموشی اختیار کیے رکھی اور پھر جس طرح اپنی پہلی پالیسی تقریر میں زخموں سے چور اور تباہ حال فلسطینیوں کا ذکر تک نہیں کیا اس سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں، جو صدر بارک اوبامہ کے انتخاب کو عالم اسلام کے تناظر میں ایک بہت بڑی تبدیلی قرار دے رہے ہیں۔ امریکی اسٹیبلشمنٹ نے بارک اوبامہ کے ارد گرد ان کی ٹیم پر مشتمل جن افراد کا حصار کھڑا کیا ہے اس سے عالم اسلام کے بارے میں نئی امریکی انتظامیہ کے عزائم کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے۔ وائٹ ہاؤس میں ایک گورے صدر کی بجائے یقیناً ایک سیاہ فام صدر تاریخ میں پہلی مرتبہ براجمان ہوچکا ہے اور وائٹ ہاؤس کی تاریخ میں یہ بذات خود

باقی صفحہ 5 پر

اسلام جبر کا نہیں امن و سلامتی کا دین ہے

فیصل نعیم شمسی

اسلام امن وسلامتی کا گہوارہ ہے اور سراسر سلامتی ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ دین اسلام مکمل نظام حیات ہے۔ وہ سرتاپا رحمت ہے۔ اسلام کے امن وسلامتی اور تحفظ کے اس قلعے کو جس تلوار نے گھیر رکھا ہے وہ آہنی ضرور ہے مگر وہ انصاف کی علمبردار ہے۔ ظلم کرنے والی نہیں بلکہ ظلم کو روکنے اور ختم کرنے والی ہے۔ امن وامان اور سلامتی پر آنچ نہیں آنے دیتی، ظلم وزیادتی، شر وفساد کا خاتمہ کرنے کے لیے لٹکائی گئی ہے۔ اسلام کی آہنی تلوار کسی کا ناحق قتل نہیں کرتی، اپنے زور پر جبراً کسی کو مسلمان نہیں بناتی۔ اسلام کی اس شاندار قندیل کو شر پسند افراد نقصان نہ پہنچائیں اس کے لیے یہ تلوار دفاعی طور پر اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ شیطان شمع حق کا ازلی دشمن ہے۔ اس کا مقابلہ نہ کیا جائے تو یہ شمع ٹمٹمانے لگے گی۔ اسلام جیسا عظیم الشان مذہب اگر باقی نہ رہے تو لوگ کسے دیکھ کر ایمان لائیں گے اور اسلام کی عظمت کو کیسے سلام کریں گے۔

اسلام آفاقی مذہب ہے اور وہ اقتدار و بالادستی اس لیے چاہتا ہے تاکہ اقوام عالم کو اپنی رحمت اور سلامتی سے فیضیاب کراسکے، اور دنیا کے غمزدہ اور افسردہ چہروں کو امن وچین اور سلامتی مل سکے۔

دین اسلام اقوام عالم کے سامنے تین نکات رکھتا ہے یا تو اسلام قبول کر کے اس کا نظام حکومت اور نظام عدل قائم کرنے میں مددگار بنو، یا ٹیکس دے کر اس کی سرپرستی قبول کرو۔ اگر اس سے بھی انکار ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تم اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کی حکومت نہیں دیکھنا چاہتے بلکہ کوئی اور طاغوتی نظام برپا کرنا چاہتے ہو جو کہ ظلم وزیادتی پر مبنی ہے اور ظلم وزیادتی اس عادل بادشاہ کی ملکیت میں روا ہو، یہ ہم سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ اسلام کا تحفظ تو بہر حال ہمیں کرنا ہے اس لیے اس میں مزاحمت نہ کرو۔ اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ یقین جانو اسلام جیسا امن وامان اور رحمت وعافیت تمہیں کسی مذہب میں نہیں ملے گی تم پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور تمہیں اپنے مذہب پر چلنے کی پوری آزادی ہوگی۔

اسلام جیسا عظیم الشان مذہب جو کہ سرتاپا امن وسلامتی ہے، جس میں ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل بتایا گیا ہے، نہ اس کے بارے میں تصور کیا جاسکتا کہ وہ جارحانہ کارروائی کرنے اور لوگوں کو زبردستی تلوار کے زور پر مسلمان بنائے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو دل سے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے کسی کو زبردستی اپنے حلقہ میں داخل نہیں کرتا۔ زبردستی کا ایمان و اسلام معتبر نہیں۔ لوگ ظلم و زیادتی سے کیسے مسلمان ہوں گے وہ تو الٹے متنفر ہی ہوں گے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے، بے وقوفی کی بات نہیں تو اور کیا ہے اس کے برعکس اسلام تو صاف کہتا ہے کہ دین اسلام میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس نظام کے ماتحت رہنے میں جو برکات وثمرات دنیا نے دیکھے اس سے متاثر ہوکر اقوام عالم جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگیں۔ کس تلوار نے انہیں مسلمان ہونے پر مجبور کیا؟ ●▫●

گجرات کے متاثرین کو سات سال بعد اُمید کی نئی کرن

سات برس میں کئی حقائق ثابت ہوئے تو کئی دعوے غلط، صرف دو مقدمات میں متاثرین کو تھوڑا بہت انصاف ملا، بقیہ میں انصاف ایس آئی ٹی کی رپورٹ اور سپریم کورٹ کے اگلے فیصلے پر منحصر ہوگا

گجرات فسادات کے سات سال بعد متاثرین کو ایک بار پھر انصاف کے تئیں امید کی کرن نظر آرہی ہے۔ ورنہ ریاست کے وزیراعلیٰ نریندر مودی نے وکاس کے بلند بانگ دعوں اور اس سلسلے میں بعض تحقیقاتی رپورٹوں کے ذریعے فسادات کے حقائق، متاثرین کے زخموں، پریشانیوں، قصورواروں کو سزا نہ دلانے اور متاثرین کو انصاف سے محروم رکھنے کی اپنی حکمت عملی اور پالیسی پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ جو شخص ۲۰۰۲ء کے فرقہ وارانہ فسادات کی سرپرستی کی وجہ سے پوری دنیا بدنامی کا باعث بنا ہوا تھا، جس پر سے انسانی حقوق تنظیموں کا اعتماد پوری طرح اٹھ گیا تھا اور جسے فرقہ وارانہ فساد میں اہم رول کی وجہ سے امریکہ نے ناپسندیدہ قرار دے کر ویزا دینے سے انکار کردیا اس کے وکاس کا نعرہ ملک کی ترقی کا ایک ایسا ماڈل بن گیا کہ لوگ اس کی کرتوتوں کو بھول گئے اور ملک کے سرمایہ کار طبقے نے اسے سرآنکھوں پر بٹھا کر ایسی عزت بخش دی کہ ملک کی باگ ڈور سنبھالنے اور وزیراعظم کے لئے سب سے موزوں اور اہل قرار دے دیا۔ اس کا حال یہ ہے کہ آئندہ ۶ر مارچ کو سپریم کورٹ ایک ایسی عرضی پر سماعت کرنے والی ہے جس میں گجرات کے وزیراعلیٰ سمیت ۷۰ ایسے سرکردہ لوگوں کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے کی اجازت مانگی گئی ہے جو ابھی تک فساد میں اہم رول کے معاملے میں کسی نہ کسی وجہ سے بچتے رہے ہیں۔

گجرات فساد میں اب انصاف پوری طرح سپریم کورٹ پر منحصر ہے، اسی کے فیصلے سے اس کی راہ کھل بھی سکتی ہے یا اس کے دروازے بند بھی ہوسکتے ہیں۔ اس لئے پورے ملک خصوصاً فساد کے متاثرین کی نگاہیں سپریم کورٹ پر مرکوز ہیں جو فسادات کے دس اہم معاملات کی سماعت پر روک لگا کر ان کی انکوائری اپنی کمیٹی کے ذریعے کرارہی ہے اور تقریباً دو ہزار مقدمات کی بند فائلیں پھر سے کھلوا رہی ہے۔ سات سال بعد سرکاری اعداد وشمار کے مطابق گجرات فسادات کے ہلاک شدگان کی تعداد ۸۳۲ سے بڑھ کر ۱۱۸۰ ہوگئی کیونکہ ریاستی حکومت نے قانونی گرفت سے بچنے کے لئے باقی بچے تمام لاپتہ افراد کو ہلاک شدہ مان لیا ہے۔ سپریم کورٹ کی طرف سے تشکیل دی گئی اسپیشل انویسٹی گیشن ٹیم (ایس آئی ٹی) نے کورٹ کو ایک مکتوب کے ذریعے اس بابت جانکاری دی۔

سپریم کورٹ نے گزشتہ سال ۱۸ر اپریل میں سی بی آئی کے سابق سربراہ آر کے راگھون کی سربراہی میں جو خصوصی ٹیم گجرات فسادات کے دس بڑے معاملات کی انکوائری کے لئے تشکیل دی تھی جنھیں ریاست سے باہر منتقل کرنے کی عرضی قومی انسانی حقوق کمیشن نے داخل کررکھی ہے۔ اس ٹیم نے اپنی ابتدائی رپورٹ کورٹ میں داخل کی ہے جس کا جائزہ لے کر کورٹ کو کوئی نتیجہ اخذ کرنا ہے۔ ایس آئی ٹی نے اگرچہ اپنی دس ماہ کی تحقیقات کے دوران ابھی تک فسادات میں اہم رول ادا کرنے والوں یا بلوائیوں کی سربراہی اور سرپرستی کرنے والوں، انہیں چھوٹ دینے والے اعلیٰ پولیس افسران پھر ثبوتوں کو مٹا کر یا ایف آئی آر درج نہ کرکے یا درج کرنے کے باوجود بڑی مچھلیوں کو نظرانداز کرنے والوں کو گرفتار نہیں کیا لیکن اس نے فسادات کے دوران کئے گئے فون کو گواہوں کے بیان سے جوڑ کر جس طرح ثبوت مانا اس سے جہاں فسادات میں اہم رول ادا کرنے والے اور قصورواروں کو بچانے والے اہم لوگوں کی نیند حرام ہوگئی ہے بلکہ متاثرین میں بھی انصاف کے تئیں امید کی نئی کرن پیدا ہوئی ہے۔ ایس آئی ٹی نے اگرچہ ابھی تک ڈی ایس پی رینک کے ایک افسر کے جی وردا، ایک پولیس انسپکٹر اور ایک ریٹائرڈ انسپکٹر کو گرفتار کیا ہے اور ریاستی وزیر مایا کوڈنانی اور وشو ہندو پریشد کے لیڈر جے دیپ پٹیل کو پکڑنے کی جو کوشش کی تھی اس میں وہ ناکام رہی۔ مقامی عدالت سے انہیں پیشگی ضمانت مل گئی اور ان کی گرفتاری پر روک لگ گئی، لیکن ایس آئی ٹی کے اس قدم نے ریاستی سیاست اور محکمہ پولیس میں دہشت پیدا کردی ہے۔ اس دوران ریاست کے دو سابق پولیس افسران آر بی سری کمار اور راہل شرما نے ایس آئی ٹی میں حلف نامہ داخل کرکے جس طرح ریاستی حکومت کو فسادات کے دوران اس کی جانبداری اور کھلی چھوٹ کے لئے کٹہرے میں کھڑا کیا۔ اس سے ریاستی حکومت کی بھی اور فسادات کی انکوائری کے لئے اس کی طرف سے تشکیل دیئے گئے ناناوتی کمیشن کی پریشانی بھی بڑھ سکتی ہے۔ جس نے ریاستی حکومت کے اشارے پر ابتدائی رپورٹ ایسی تیار کرکے پیش کی جس سے ریاستی حکومت کی طرح کمیشن بھی جانبدار اور مشکوک نظر آنے لگا ہے اور اس پر ابتداء میں کئے گئے تمام شبہات درست ثابت ہورہے ہیں۔ غور طلب امر یہ ہے کہ ایس آئی ٹی جن مقدمات کی انکوائری کررہی ہے ان میں ۱۹ر فروری کے ہندوستان ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق کل ۶۲۵ افراد گرفتار کئے گئے تھے جن میں اکثر اکثریتی فرقے کے تھے۔ ان میں سے ۴۴۲ ضمانت پر رہا ہیں۔

اس دوران ریاستی حکومت کو اس وقت زبردست جھٹکا لگا جب گجرات ہائی کورٹ نے ۲۷ر فروری ۲۰۰۲ء کے گودھرا واقعے میں جن ۱۱۶ مسلمانوں پر پوٹا لگایا گیا ہے وہ غلط ہے۔ ہائی کورٹ نے پوٹا ہٹانے سے روک سے متعلق مفاد عامہ کی عرضی مسترد کردی۔ ویسے اس معاملے میں پوٹا ریویو کمیٹی نے پہلے ہی پوٹا ہٹانے کی سفارش کردی تھی جسے ریاستی حکومت نے مسترد کردیا۔ بعد میں سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں پوٹا ریویو کمیٹی کے اختیار کو بھی تسلیم کیا۔ ملزمین پر سے پوٹا ہٹانے، ان کے مقدمات کو پوٹا عدالت سے سیشن کورٹ منتقل کرنے اور ان کی ضمانت پر غور کرنے کی ہدایت دی تھی۔ اس طرح سات برسوں سے جس گودھرا کے واقعے کو فساد کا اہم سبب بتا کر اسے سازش بتایا جارہا تھا اب یہ ثابت ہوگیا کہ گودھرا تو صرف بہانہ فرقہ وارانہ فسادا منصوبہ تھا۔ اس طرح گجرات فسادات کے حقائق دھیرے دھیرے سامنے آرہے ہیں اور وہ ثابت بھی ہورہے ہیں۔ ریاستی حکومت، بی جے پی اور فرقہ پرست تنظیموں نے جو دعوے کئے تھے وہ سب غلط ثابت ہورہے ہیں۔ تاہم ابھی تک متاثرین کو جو کچھ بھی انصاف ملا ہے، دو ہی معاملے ہیں۔ ایک بیسٹ بیکری کیس اور دوسرا بلقیس بانو کیس۔ ان میں بھی انصاف اسی وقت یقینی بنا جب ان کی سماعت ریاست سے باہر مہاراشٹر میں ہوئی ورنہ گجرات میں تو وہ مذاق بن کر ختم ہوگئے۔ اب سارے حالات وواقعات کو سامنے رکھ کر سپریم کورٹ کو ہی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ فسادات کے باقی معاملات میں انصاف کو یقینی بنانے کے لئے ان کی سماعت کہاں ہو۔ ریاستی حکومت کی پوری کوشش ہوگی کہ وہ ریاست سے باہر نہ جائیں۔

ملک کے انصاف پسند حلقوں خصوصاً فساد کے متاثرین کو انصاف کو یقینی بنانے کے لئے سپریم کورٹ میں ایک اور فیصلہ کن لڑائی لڑنی ہوگی۔ اس کے لئے انہیں زبردست تیاری کرنا ہوگی کیونکہ اگلے مہینے مارچ میں پھر سے گجرات فسادات کی فائلیں سپریم کورٹ میں کھل رہی ہیں۔ کورٹ کے فیصلے پر ایس آئی ٹی کی رپورٹ کا اثر یقیناً ظاہر ہوگا۔ انصاف کے علاوہ متاثرین کو مناسب معاوضہ اور ان کی بازآبادکاری بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان خلیج کو پاٹنا سب سے بڑا مسئلہ اور وقت کا تقاضا ہے۔

●●

افغانستان ویتنام بن گیا

مظفر اعجاز

نئے امریکی صدر کے پرانے خصوصی ایلچی رچرڈ ہالبروک نے اعتراف کیا ہے کہ افغانستان کی صورتحال ویتنام سے زیادہ خراب ہے اور اتحادی مزید افواج بھیجیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ افغانستان میں لڑائی عراق سے بھی زیادہ مشکل ثابت ہورہی ہے۔ انھوں نے پھر زور دیا کہ افغان مسئلہ کے حل کے لئے پاکستان سمیت پڑوسی ممالک کو اعتماد میں لینے کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف افغان صدر حامد کرزئی نے بعض طالبان رہنماؤں سے مفاہمت کی ضرورت پر زور دیا ہے اور کہا ہے کہ جو طالبان القاعدہ سے تعلق نہیں رکھتے ان کے ساتھ مفاہمت کی جاسکتی ہے اور یہی مناسب وقت ہے۔

رچرڈ ہالبروک افغانستان میں روسی مداخلت کے وقت بھی پاکستان میں امریکہ کے خصوصی ایلچی کے طور پر خدمات انجام دے چکے ہیں۔ اس وقت وہ افغانستان میں روسی مداخلت کے خلاف فضا سازگار کررہے تھے۔ آج افغانستان میں امریکی مداخلت کے حق میں فضا سازگار کرنا اس کی ذمہ داری ہے لیکن اس کے باوجود اب وہ افغانستان میں امریکی قبضے کو سند جواز نہیں بخش پارہے۔ انھوں نے ایک جانب مزید اتحادی افواج بھیجنے کی بات بھی کی ہے اور دوسری جانب پڑوسی ممالک کو اعتماد میں لینے کی بات بھی کی ہے۔ اگر مزید فوج پہلے طلب کرلی جائے اور پڑوسیوں کو بعد میں اعتماد میں لیا جائے تو کیا ہوگا۔ یہ آگ مزید پھیلے گی۔ رچرڈ ہالبروک کی جانب سے افغانستان کی صورتحال کو ویتنام سے زیادہ خطرناک قرار دینے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ امریکہ واتحادیوں کی یہ سمجھ میں ہی نہیں آرہا ہے کہ وہاں کس طرح حالات پر قابو پایا جائے، اس لئے وہ مزید افواج بلانا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس مرتبہ امریکی ویتنام کی طرح بھاگ بھی نہیں پارہے ہیں اس لئے دنیا کی مزید افواج بلوا کر انہیں بھی اس میں الجھانا چاہتے ہیں پھر شاید موقع مل جائے نکل بھاگنے کا۔ تاہم یورپی اتحادیوں نے بھی مزید فوجی بھیجنے سے انکار کردیا ہے۔ گویا امریکہ کے لئے صورتحال ویتنام سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ویتنام سے بھاگنا آسان تھا لیکن افغانستان سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ زمینی راستے تو ہر طرف سے مخالف ہیں البتہ فضائی راستے ہی باہر نکلنے میں معاون ہوسکتے ہیں۔ لیکن کس طرح پہلا فوجی دستہ نکلے گا اور کرزئی حکومت کا تختہ ہوجائے گا اس لئے وہ اتحادی تلاش کررہے ہیں۔

پاکستانی فوج بھی مشرقی سرحدوں کی طرف چلی گئی ہے کون تحفظ دے گا؟ عالمی امن کے علمبرداروں کو ان حالات میں اس خبر میں بڑی صداقت معلوم دیتی ہے کہ رچرڈ ہالبروک کا ایجنڈا امریکی افواج کو سلامتی کے ساتھ نکالنا ہے اور اس مقصد کے لئے یہ فضا پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ عراق اور افغانستان میں جنگ غلط تھی لہٰذا امریکی افواج کو واپس نکالا جائے اور افغان اور عراق آپریشن بند کیا جائے۔ ویسے امریکی انتظامیہ اپنے عزائم کبھی سامنے نہیں لاتی۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بڑے آپریشن کے لئے تیاری کی جارہی ہو۔ کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن بقول مسٹر رچرڈ ہالبروک پالیسیاں بنانے سے کچھ نہیں ہوتا، مسائل کے انبار کے حل کی طرف توجہ دینی ہوگی اور اس حوالے سے پاکستان کے وزیر خارجہ نے بروقت اور مناسب جگہ پر توجہ دلائی۔ اس اعتبار سے پاکستان کے آٹھ نکات کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے۔ خود امریکی افغانستان اور عراق میں پھنسے ہوئے ہیں انہیں وہاں سے نکلنے کے لئے کوئی راستہ تو چاہئے۔ پاکستان نے مطالبہ کیا ہے کہ دہشت گردی کے اصل اسباب پر توجہ دی جائے۔ مسلم دنیا کے دیرینہ مسائل کا فوری حل تلاش کیا جائے۔ زمینی حقائق، روایات، مذہبی تعلیمات کو مدنظر رکھ کر طویل المیعاد پالیسی اختیار کی جائے۔

امریکہ افغانستان اور عراق میں کیوں پھنس گیا اس کو یہاں تک کن اسباب نے پہنچایا ان باتوں پر امریکہ کو غور کرنا ہوگا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ امریکی انتظامیہ اس امر کی تحقیقات بھی کروائے گی کہ نائن الیون کیا تھا؟ کیونکہ فی الحال امریکی انتظامیہ، سابق انتظامیہ، امریکی میڈیا، ماہرین، مفکرین سب اس بات پر متفق ہیں کہ نائن الیون غیرامریکیوں کے عمل سے ہوا۔ ان میں سے ۹۰ فیصد سے زیادہ لوگ اسے مسلمانوں اور القاعدہ کی کارروائی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں ان کی جانب سے اس پنڈورا بکس کو کھولنے کی توقع کرنا عبث ہے لیکن امریکی یہ تو سوچ سکتے ہیں کہ اگر بش انتظامیہ کا یہ کہنا درست تھا تو بھی امریکی فوج کو امریکہ سے اتنی دور کیوں الجھایا گیا۔ ساڑھے تین ہزار لوگوں کے بدلے ساڑھے تین لاکھ لوگ کیوں مار دیئے گئے؟ دو عمارتوں کے بدلے دو ہزار عمارتیں کیوں تباہ کردی گئیں؟ امریکی امن کی خاطر دنیا کے امن کو کیوں تہہ وبالا کردیا گیا اور اربوں ڈالر، لاکھوں انسانوں اور ہزاروں امریکی فوجیوں کی قربانی دے کر کیا مقاصد حاصل کئے گئے؟ یہی بات پاکستانی وزیر خارجہ نے کہی کہ مسائل کا اصل سبب تلاش کریں ان کو حل کریں۔ کسی عالمی فوج کی انسداد دہشت گردی کی جنگ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ دوسری بات مسلم دنیا کے دیرینہ مسائل کے حل کے حوالے سے ہے۔ پاکستانی وزیر خارجہ نے لاگ لپیٹ کے ساتھ وہی بات کی ہے جو امریکی ایلچی رچرڈ ہالبروک، برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ اور اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون کہہ چکے ہیں کہ اصل مسئلہ فلسطین ہے۔ اگر امریکہ اور انسداد دہشت گردی کی امریکی جنگ میں شریک ممالک اس کو حل کردیں تو امریکی تحقیق کے مطابق مسلمانوں کے لئے بھی عسکریت پسندی کا کوئی سبب نہیں رہے گا۔

●●

نوئیڈا ’انکاؤنٹر‘ پر بھی اٹھے سوال

سنجے سنگھ

دہلی کے نواحی علاقہ نوئیڈا میں پولیس نے دو پاکستانی شدت پسندوں کو ’انکاؤنٹر‘ میں مارنے کا دعویٰ کیا لیکن اب سوال اٹھ رہے ہیں کہ کہیں یہ فرضی انکاؤنٹر تو نہیں تھا۔ ریاست اترپردیش کے انسداد دہشت گردی حملے میں اے ٹی ایس نے دو نوجوانوں کو پولیس مقابلے میں مرنے کی جو کہانی بتائی ہے اس سے ’انکاؤنٹر‘ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اخبار ٹائمز آف انڈیا نے لکھا ہے کہ اے ٹی ایس عملے کا کہنا ہے کہ دو شدت پسند، جو یوم جمہوریہ کے موقع پر دہلی میں حملہ کرنے آئے تھے، وہ ایک چائے کی دکان پر رکے اور ایک شخص سے دہلی کا راستہ پوچھا۔ پولیس کے مطابق جس شخص سے راستہ پوچھا گیا وہ ’اتفاق‘ سے پولیس کا مخبر اور ایک کانسٹبل کا رشتے دار تھا۔ مخبر نے یہ دیکھا کہ اس شخص کے تھیلے سے اے کے ۴۷ بندوق کی نال بھی باہر نکلی ہوئی نظر آرہی تھی، اس لئے اس نے فوراً پولیس کو آگاہ کردیا۔

لیکن پولیس کے مطابق ان شدت پسندوں کے پاس نہ تو موبائل اور نہ ہی سٹیلائٹ فون تھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اپنی نوعیت کا ایسا پہلا بڑا کیس ہے جس میں شدت پسندوں کے پاس رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جبکہ ماہرین کا کہنا ہے کہ دہشت گردوں کے پاس کسی بھی طرح کے آپریشن کو انجام دینے کے لئے رابطے کا کوئی ذریعہ ہونا ضروری ہے۔ اخبار کے مطابق شک صرف اسی بات پر نہیں ہوتا بلکہ دہشت گردوں کے تعاقب کے بارے میں بھی اے ٹی ایس کی طرف سے دو طرح کے بیانات سامنے آئے ہیں۔ ایک بیان میں کہا گیا کہ تعاقب نوئیڈا میں ایمیٹی چیک پوسٹ کے پاس سے شروع ہوا جو جائے واقعہ سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

لکھنؤ میں ڈائریکٹر جنرل آف پولیس کی طرف سے جو بیان جاری ہوا ہے اس کے مطابق ’ایمیٹی‘ چیک پوسٹ کے پاس جب شدت پسندوں کی گاڑی کا پتہ چلا تو ان سے رکنے کے لئے کہا گیا اور جب وہ نہیں رکے تو ان کا پیچھا کیا گیا اور فائرنگ کا تبادلہ شروع ہوا۔ بالآخر انہیں پولیس نے ہلاک کردیا۔

اس کے برعکس نوئیڈا پولیس کا کہنا ہے کہ شدت پسندوں کا پیچھا پچیس کلومیٹر تک کیا گیا جو غازی آباد کے لال کنواں کے علاقے سے شروع ہوا اور وہیں پر مخبر نے انہیں پہلے دیکھا تھا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ مرنے سے پہلے شدت پسندوں نے یہ بات تسلیم کی کہ وہ پاکستانی تھے۔ یوپی اے ٹی ایس کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل راجیو کرشنا کا کہنا ہے کہ مخبر نے صرف بندوق کی نال ہی نہیں دیکھی بلکہ اسے یہ بھی لگا تھا کہ وہ دونوں اس علاقے کے نہیں تھے اور اس کے خیال سے وہ دیکھنے میں اجنبی مسلم لگ رہے تھے۔

سوال یہ ہے کہ ہتھیاروں سے لیس دہشت گرد، جن کی بندوقیں نظر آرہی تھیں، یوم جمہوریہ کے موقع پر مخبر سے دہلی کا پتہ پوچھتے ہیں۔ اب یہ محض ایک اتفاق تھا یا پھر بے ترتیب گڑھی ہوئی ایک کہانی؟ اس میں اگر یہ بات اور بڑھا دی جائے کہ دہشت گرد ایسے وقت دہلی میں داخل ہونے کی کوشش کررہے تھے جب یوم جمہوریہ کی تقریب کی وجہ سے سیکورٹی بہت سخت تھی تو پولیس کی دلیل اور کمزور ہوجاتی ہے۔ لیکن اے ٹی ایس اپنے موقف پر قائم ہے۔ ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل آف پولیس برج لال کہتے ہیں کہ پولیس نے جس کار سے پیچھا کیا اس پر گولی کا نشان ہے اور ان کے ایک پولیس اہلکار کے پیر پر گولی بھی لگی ہے۔ لیکن ان کا کہنا ہے کہ ’شدت پسندوں کی کار پر گولی کا نشان اس لئے نہیں ہے کیونکہ پولیس نے ان کی کار کے نچلے حصے کو نشانہ بنایا۔ ان کی کار کا ایک پچھلا پہیہ پنچر ہوگیا اور بچنے کے لئے وہ باہر نکلے۔

پولیس کی یہ کہانی تو دلچسپ ہے ہی لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ نوئیڈا کے سیکٹر ۹۷ میں جہاں انکاؤنٹر ہوا ہے اسی جگہ گزشتہ ماہ ایک مجرم نریندر عرف کالو کو پولیس نے گولی مار کر ہلاک کیا تھا۔ گزشتہ برس اپریل میں بھی اسی جگہ پر پولیس نے تین مزید مجرموں کو مارنے کا دعویٰ کیا تھا۔ اس بارے میں نوئیڈا پولیس کہتی ہے کہ دراصل وہ ایک سنسان علاقہ ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ اکثر مجرم وہیں ٹھہرتے ہوں اور یہ ایک اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔

نوئیڈا انکاؤنٹر کا معاملہ بھی بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر جیسا الجھا ہوا نظر آتا ہے جو دہلی میں ہوئے بم دھماکے کے بعد ہوا تھا اور جس میں ایک پولیس والے موہن چند شرما کی موت ہوگئی تھی۔ اس سے پہلے بھی کئی مڈبھیڑوں پر اسی طرح کے سوالات اٹھ چکے ہیں جیسے نوئیڈا اور اس سے قبل بٹلہ ہاؤس کے بارے میں اٹھ رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے سوالات اٹھتے کیوں ہیں؟ اگر سب کی زبان سے ایک بات نکلے تو کوئی سوال نہ اٹھے لیکن اکثر مڈبھیڑوں کے بارے میں الگ الگ بیانات دیئے جاتے ہیں جو شبہات پیدا کرتے ہیں۔ بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر پر اٹھے سوال اور اس کی جانچ کے مطالبے کے بعد اب نوئیڈا انکاؤنٹر کی جانچ کا مطالبہ فطری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر کی ہی جانچ کا مطالبہ منظور نہیں ہوا ہے۔

دعوت

۲۲ر فروری ۲۰۰۹ء

ممبئی حملے میں ’مقامی ہاتھ‘

بھارتیہ جنتا پارٹی کے سینئر لیڈر اور پارٹی کی طرف سے وزارت عظمیٰ کے امیدوار لال کرشن آڈوانی نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ گزشتہ ۲۶ر نومبر کو ممبئی پر ہونے والے حملے کی عدالتی جانچ کرائے۔ انھوں نے دوسری اہم بات یہ کہی ہے کہ ممبئی پر ہونے والے حملے جیسے واقعات مقامی لوگوں کی مدد کے بغیر انجام نہیں دیے جاسکتے۔ لہٰذا سازش کے اس پہلو کی مکمل اور بے لاگ جانچ ہونی چاہئے تاکہ سب کچھ نکھر کر سامنے آسکے اور یہ معلوم ہوسکے کہ اس حملے کو انجام دینے میں مقامی لوگوں کا کتنا ہاتھ تھا۔ یہ مطالبہ انھوں نے اور کہیں نہیں بلکہ پارلیمنٹ کے اندر کیا ہے۔ انھوں نے وزیر خارجہ کے اس حملے سے متعلق بیان پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اس حملے کے سلسلے میں گورے گاؤں کا ایک باشندہ فہیم انصاری گرفتار کیا گیا تھا، اس نے تفتیش کے دوران یہ بھی بتایا تھا کہ اس کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ اس کا ایک ساتھی صباح الدین احمد بھی اپریل ۲۰۰۸ء میں پکڑا گیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ اس کی تیاری پچھلے ایک برس سے جاری تھی۔ یہ بھی ناقابل فہم ہے کہ اتنی بڑی کارروائی مقامی مدد کے بغیر انجام دی جاسکتی ہے۔ مسٹر آڈوانی دوسرے آدمی ہیں جنھوں نے مقامی لوگوں کے ملوث ہونے کی بات کہی ہے۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے گجرات کے وزیراعلیٰ نریندر مودی بھی یہ بات کہہ چکے ہیں۔ انھوں نے یہ بات ناگپور میں ہونے والے بی جے پی کے مرکزی اجلاس میں اٹھائی تھی اور یہ کہا تھا کہ اس طرح کی کارروائیاں مقامی مدد کے بغیر انجام دی ہی نہیں جاسکتیں۔ مگر حیرت ہے کہ اس پہلو کو نظرانداز کردیا گیا اور یوپی اے کی حکومت نے اس کو لائق توجہ ہی نہیں سمجھا۔ کانگریس نے مسٹر آڈوانی کے جوڈیشیل انکوائری کے مطالبے کو یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ اس سے لوگوں میں پھوٹ پڑے گی۔ کانگریس کا کہنا ہے کہ مسٹر آڈوانی کا یہ بیان انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور سماج کو توڑنے والا ہے۔ کانگریس کے بیان میں ایک بات تو یہ کہی گئی ہے کہ مسٹر آڈوانی اور مسٹر نریندر مودی دونوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی ٹھوس بات نہیں کہی ہے اور دوسری بات یہ کہی ہے کہ جوڈیشیل انکوائری اس وجہ سے بھی نہیں کرائی جاسکتی کیونکہ اس میں ایک دوسرا ملک بھی ملوث ہے اور وہ بھی اس کی جانچ پڑتال کررہا ہے۔ الگ سے عدالتی جانچ کا حکم اس عمل کو متاثر کرنے والا ہوگا۔

کانگریس کے ترجمان ابھشیک منوسنگھوی نے ایک طرف تو یہ بات کہی ہے کہ ایسے میں شکوک وشبہات کا اظہار کرنا جبکہ حکومت ایک ’لڑائی‘ لڑ رہی ہے حکومت کے موقف کو کمزور کرنے والا بھی ہوگا اور توڑنے والا بھی۔ لہٰذا یہ موقع اس کا نہیں ہے کہ غیر ذمہ دارانہ بیانات دیئے جائیں۔ اس کی بجائے بی جے پی کو چاہئے کہ وہ حکومت کا ساتھ دے۔ یہ فیصلہ کرنا حکومت کا کام ہے کہ کس واقعے کی عدالتی جانچ کرائی جانی چاہئے اور کس کی نہیں۔ اس وقت چونکہ ایک دوسرا ملک بھی ان واقعات کی چھان بین کر رہا ہے اس لئے یہ الگ سے عدالتی جانچ کا حکم دینے کا موقع نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف انھوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ ممبئی حملوں میں مقامی ہاتھ ہوسکتا ہے اور پولیس اسی کی چھان بین کررہی ہے۔ واضح رہے کہ ممبئی حملے کے سلسلے میں پاکستان کی طرف سے بھی اس طرح کی باتیں کہی گئی ہیں۔ پاکستان کی طرف سے سرکاری اور غیرسرکاری دونوں سطحوں پر جو سوالات اٹھائے گئے ہیں ان میں اس پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ آخر ’پاکستانی عناصر‘ (ہندوستانی دعوے کے مطابق) ہندوستان کی سمندری حدود میں کس طرح داخل ہوگئے؟ اتنی بڑی تعداد میں اسلحہ اور گولہ بارود وہاں کیسے پہنچ گیا؟ انھوں نے پانچ ستارہ ہوٹلوں جیسی اہم جگہوں تک رسائی کس طرح حاصل کرلی؟ وہاں ان کے لئے کمرے کس نے بک کرائے وغیرہ ایسے سوالات ہیں اور ایسے امور ہیں جو مقامی مدد کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوسکتے۔ ٹھیک اسی دن یعنی جس دن مسٹر آڈوانی نے پارلیمنٹ میں یہ بیان دیا ہے اسی دن ممبئی پولیس کی کرائم برانچ نے ۱۸۰۹ صفحات پر مشتمل فرد جرم داخل کی ہے۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ انڈین مجاہدین نے پورے ملک میں دہشت پھیلانے کا ایک منصوبہ بنایا تھا اور اس نے پورے ملک میں اپنا جال پھیلا رکھا ہے۔ اس کے مبینہ ۲۱ ممبروں کے خلاف باقاعدہ فرد جرم داخل کردی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انڈین مجاہدین کا جہاں ممنوعہ ایس آئی ایم آف انڈیا سے تعلق ہے وہیں اس کا لشکر طیبہ وغیرہ جیسی عسکریت پسند تنظیموں سے بھی گہرا تعلق ہے۔ اس میں یہ بھی ’انکشاف‘ کیا گیا ہے کہ انڈین مجاہدین مہاراشٹر میں اپنا بیس تیار کررہے تھے۔ کانگریس کے ترجمان، مسٹر آڈوانی اور نریندر مودی کے بیانات اور ممبئی پولیس کی اس کارروائی میں ایک بڑا مصنوعی ربط معلوم ہوتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سارا عمل اسی ’مقامی ہاتھ‘ کی تھیوری کو سچائی میں تبدیل کرنے کے لئے جاری ہے۔

فکر معاصر

مسلمانوں کی سیاست

آج کی ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا کوئی اہم کردار نہیں ہے لیکن وہ خود یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ انہیں غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے کے لئے بتایا جاتا ہے کہ وہ اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ کچھ بھی کرسکتے ہیں بس۔ یہی سن کر وہ سیاست میں اس طرح سرگرم ہوجاتے ہیں جو کررہے ہوتے ہیں وہ بھی چھوڑ جاتے ہیں۔ اس طرح ان کے مسائل جو پہلے ہی بہت ہیں او مزید بڑھ جایا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد یقیناً اتنی ہے کہ وہ بہت کچھ کرسکتے ہیں، لیکن انہیں بڑی عیاری سے بالکل ہی اپاہج بنا دیا گیا ہے۔ انہیں سیاست میں کچھ اس طرح ملوث کیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح کامیاب نہ ہوسکیں۔ دوسرے ان کے ووٹ کی تقسیم کراکے بڑے اہتمام سے کامیاب رہیں۔ لیکن افسوس اس کا ہے کہ یہ سب باتیں بھی مسلمان اچھی طرح سمجھتے ہیں پھر بھی جب الیکشن کا زمانہ آتا ہے تو اس اعتماد سے میدان میں اترتے ہیں کہ ان کی کامیابی تو بالکل یقینی ہے۔ جن کے پاس وافر سرمایہ ہے، وقت ہے، صلاحیت بھی ہے وہ اگر اپنی صلاحیتوں اور سرمائے کا استعمال دوسروں کی پریشانیاں دور کرنے میں کرنے لگیں تو مسلمانوں کی دنیا بدل سکتی ہے وہ ترقی یافتہ، خوشحال ہوکر سیاست میں بھی کامیاب ہوسکتے ہیں۔ مسلمانوں کے اہم مسائل میں غریبی، بیروزگاری اور ناخواندگی، سب سے اہم ہیں۔ ان کو حل کئے بغیر مسلمان کچھ نہیں حاصل کرسکتے لیکن ایسا نہ کرکے یہ سوچا جائے کہ وہ سیاست میں کچھ کامیابی حاصل کرلیں تو خود بخود ان کے مسائل حل ہوجائیں گے اور سیاست میں ہی سرگرم رہا جائے تو وہی ہوگا جو کہ آج کل ہورہا ہے۔ یعنی وہ حلقہ ہائے انتخاب جہاں سے وہ آسانی سے کامیابی حاصل کرسکتے ہیں، وہاں سے انہیں بھی کامیابی نہیں حاصل ہوتی۔ ان کی ناخواندگی اور کم فہمی کے سبب ان کے جیسے دس کھڑے کرکے ان کے ووٹوں کو آسانی سے تقسیم کرا دیا جاتا ہے اور وہ شرمناک شکست سے دوچار ہوکر اپنوں ہی کو کوسنے لگتے ہیں۔ مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو قوم کے لئے بہت کچھ کرسکتے ہیں۔ مگر وہ کچھ کرنے کے بجائے سیاست میں سرگرم ہوجاتے ہیں۔ اس طرح اپنا سرمایہ اپنی صلاحیت اور اپنا قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں۔ انہیں تباہ کرنے والوں میں وہ لوگ زیادہ سرگرم ہوتے ہیں جو ان کی ہر طرح تعریف کرتے رہتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اگر آپ جیسے لوگ سیاست میں آجائیں تو آج سیاست جرائم پیشہ افراد سے پاک ہوسکتی ہے۔ وہ غلط فہمی کے شکار ہوکر سیاست میں سرگرم ہوجاتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں اور ناکام اور نامراد مسلمانوں کے حدود میں کچھ اور اضافہ کردیتے ہیں۔ آج اگر واقعی کچھ کرنے کی کوشش کی جائے تو ہر فرد کچھ نہ کچھ کرسکتا ہے اور اس کچھ نہ کچھ سے اتنا کچھ ہوسکتا ہے کہ ایک مایوس اور نامراد قوم اپنی کھوئی توانائی حاصل کرکے زندہ اور تابندہ ہوسکتی ہے۔ انتہائی کامیاب تاجر، نیک نام ڈاکٹر اور شہرت یافتہ انجینئر اگر واقعی اپنے تجربے، صلاحیت، دولت، نیک نامی اور شہرت سے قوم کو سدھارنا چاہے تو آسانی سے سدھار سکتا ہے اور ایسا کرنے میں اس کا کوئی نقصان بھی نہیں ہوسکتا لیکن یہ نہ سوچ کر مسلمانوں نے اپنے کاروبار کو سمیٹنا شروع کردیا، بڑے بڑے کارخانے بند ہوگئے کہ ان کے مالکان نے کہا کہ اب زمانہ بدل گیا ہم کامیابی کے لئے وہ سب کچھ نہیں کرسکتے جو آج کیا جارہا ہے جبکہ وہ ذرا سا صبر اور زحمت کرکے بہت کچھ کرسکتے تھے۔ آج مسلمانوں کے لئے رہائش کا مسئلہ بھی کچھ کم سنگین نہیں ہے، انہیں کوئی کرائے پر مکان نہیں دیتا اور جو دیتا ہے وہ پگڑی اور بہت زیادہ کرایہ چاہتا ہے ایسے میں ایک دو نہیں پچاسوں ایسے سرمایہ دار مسلمان ہیں جو کالونیاں بناکر بغیر پگڑی لئے کم کرائے پر مسلمانوں کو فراہم کرکے ایک ایسا کام کرسکتے ہیں جبکہ ان کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوگا بس اتنا ہی ہوگا کہ کوئی پچاس کروڑ خرچ کرکے دس ارب کماتا ہے تو وہ پچاس کروڑ خرچ کرکے تین ہی ارب کمائیں گے۔ اس طرح ایک مسلمان سرمایہ دار ایک کے بعد دوسری کالونی بناکر پھر یہ سلسلہ دراز کرتے ہوئے وہ لاکھوں کو اپنا گرویدہ بناسکتا ہے، ایسے میں وہ کوئی بھی الیکشن لڑکر کامیاب ہوسکتا ہے۔

(روزنامہ ''آگ''، لکھنؤ)

موجودہ معاشی بحران اور امکانات

تحریر: نوم چومسکی
ترجمہ: محمد صفدر سحر

> جب ترقی پذیر ملکوں میں معاشی بحران سے نمٹنے کے لئے تجاویز دی جاتی ہیں تو کچھ اس طرح ہوتی ہیں: شرح سود بڑھایئے، معاشی شرح نمو گھٹایئے، اپنا بیلٹ کس لیں، قرضے واپس کریں (امریکہ کو) نجکاری کریں اور اس طرح کی دوسری ہدایات۔ اس کے مقابلے میں بالکل اسی قسم کے معاشی بحران سے نکلنے کے لئے ترقی یافتہ ملکوں کو اس قسم کی تجاویز دی جاتی ہیں۔ شرح سود گھٹایئے، معاشی ترقی کے لئے حکومتیں اس میں سرمایہ کاری کریں، ادارے قومیائیں (اگرچہ یہ لفظ کہا نہیں جاتا) اور اس طرح کی دوسری ہدایات۔ یہ ہے وہ دوہری پالیسی جو غریب ملکوں کے لئے کچھ اور ہے اور امیر ریاستوں کے لئے اور۔

کالج میں اکنامکس کی کلاس میں یہی پڑھایا جاتا ہے کہ معیشت کے نشیب وفراز کے اصول نظام معیشت خود ہی طے کرتا ہے لیکن موجودہ عالمی معاشی بحران دو حوالوں سے دلچسپ ہے۔ ۹۰-۱۹۸۰ء کے دوران معاشی ترقی کے غیر حقیقی عروج کے ردعمل کے طور پر اسی سطح کا معاشی زوال آنا چاہئے تھا۔ دوسرا حوالہ یہ ہے کہ ۱۹۸۰ء کا مصنوعی معاشی چڑھاؤ امریکہ کی ورکنگ کلاس کو تو کوئی فائدہ نہ دے سکا لیکن امیروں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس ناکامی سے یہ سوال اٹھ کھڑا ہے کہ کیا ۷۰-۱۹۴۸ء تک بروئے کار رہنے والا ''بریٹن وڈ معاشی نظام'' کی جگہ وہی پرانا گینٹر کا معاشی نظام آجائے گا۔

میرا خیال ہے کہ ۱۹۷۰ء میں بریٹن وڈ نظام کے منتشر ہونے کا واقعہ روس کی شکست سے بھی بڑا واقعہ ہے۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۰ء کی معاشی ترقی کئی حوالوں سے ہمہ گیر تھی۔ اس دور میں عوام کو بھی ریلیف ملا، یہ ریلیف محدود لیکن حقیقی تھا۔ اس کا اظہار معاشی اشاریوں سے بھی ہوتا ہے۔ معاشی ترقی کے ساتھ، معاشرتی اشاریئے بھی بہتر رہے جیسا کہ توقع تھی۔ بہت سے ماہرین معیشت کے نزدیک یہ جدید سرمایہ دارانہ نظام کی تاریخ کا بہترین دور تھا۔ میرے خیال میں انہیں اس دور کو ریاستی سرمایہ دارانہ نظام کا بہترین دور کہنا چاہئے کیونکہ ریاست کی مداخلت کی وجہ سے ہی مذکورہ ترقی اور معاشی نمو ممکن ہوئی۔ لیکن ۷۰ء کی دہائی کے وسط تک صورتحال تبدیل ہوگئی۔ بریٹن وڈ معاشی نظام جو پابندیاں عائد کرتا ہے ان کو انتہائی نرم کردیا گیا جس کے باعث سرمایہ آزاد ہوگیا، سٹے کو رواج مل گیا۔ بے چارے عوام مصیبت کا شکار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ وقت امریکی تاریخ کا انوکھا لمحہ ہے۔ لوگوں کی حقیقی اجرتیں (حقیقی اجرت وہ ہوتی ہے جو افراط زر کے ساتھ بڑھے) ایک مقام پر منجمد ہیں اور اسی وجہ سے معیار زندگی بھی یا تو منجمد ہے یا زوال پذیر۔ اگر آپ سماجی اشاروں کی طرف دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ معیار زندگی ۱۹۷۵ء کے بعد سے زوال پذیر ہے اور اب ۱۹۶۰ء کے معیار تک پہنچ چکا ہے۔ خوشحالی صرف چند گھروں تک محدود رہی ہے۔ صدر کلنٹن کی حکومت کے دوران کچھ عرصہ (Tech Bubble) کے دوران، اجرتوں میں اضافہ ہوا اور بیروزگاری میں کمی ہوئی لیکن یہ عارضی دور تھا۔ حقیقت میں اسی عرصے کے دوران مالیاتی بحران بڑھا، جیسا کہ بہت سے ماہرین معیشت اس کی پیش گوئی کررہے تھے۔ جیسے ہی مالیاتی مارکیٹ آزاد ہوئی تو حسب توقع مالیاتی بحران پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ امیر ملکوں میں جب بحران شروع ہوا تو لوگوں نے اس پر آواز اٹھانی شروع کی لیکن اب اس بحران نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور کہیں کہیں تو یہ بہت زیادہ شدید ہے۔ یہ بحران نہ صرف پھیل رہا ہے بلکہ اس کی گہرائی میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔

دس سال پہلے مشہور ماہرین معاشیات جون ایٹ ول اور لانس ٹیلر کی کتاب ''عالمی مالیات، خطرے میں'' شائع ہوئی۔ اس کتاب میں انھوں نے بتایا کہ مالیاتی مارکیٹ میں اندرونی طور پر شدید خامیاں ہیں۔ وہ مالیاتی مارکیٹ کی خامیوں میں ان کا ذکر کررہے ہیں جو مالیات سے متعلق تھیں۔ ان کے پیش نظر وہ خطرات نہیں تھے جن کی قیمت سماج کو چکانا پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر میں اور آپ ایک گاڑی کا سودا کرتے ہیں لیکن ہمارے اس سودے میں معاشرے کو جو قیمت چکانی ہے اس کا کہیں ذکر نہیں ہوتا۔ جیسے آلودگی، گاڑیوں کی بھیڑ بھاڑ اور اس جیسے دوسرے مسائل جو ٹریفک کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ مالیاتی مارکیٹ میں خطروں کو شامل کرکے مفروضے دیئے جاتے ہیں اس لئے یہ خطرے مول لے لئے جاتے ہیں۔ خطرے مول لینے کی یہ آزادی، سسٹم کو ناکارہ بنادیتی ہے''۔ اسی سے توڑ پھوڑ کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ اگر آپ کچھ اصول طے کرلیتے ہیں تو مارکیٹ کی خامیاں قابو میں رہتی ہیں ورنہ مارکیٹ ناکارہ ہوجاتی ہے۔ یہ پرائمری کی معاشیات کا آسان سا فائدہ ہے۔ مذکورہ کتاب میں اس موضوع پر بحث کی گئی ہے، کچھ اور لوگوں نے بھی اس پر بحث کی ہے۔

کیونکہ خطرے مول لینے کی آزادی دی گئی تو لوگوں نے یہ رسک لئے اور نتیجتاً موجودہ صورتحال سامنے ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ کسی بھی شخص نے یہ پیش گوئی نہ کی کہ اس صورت میں اگر مارکیٹ کریش ہوتی ہے تو وہ کس پوائنٹ پر جاکر ہوگی اور اس کی شدت کیا ہوگی۔ بے قاعدگیوں کے باعث دخل در معقولات کرنے والے مالیاتی ادارے بنے، جس کی وجہ سے بحران پیدا ہوا۔ کسی کو بھی پتہ نہیں کہ کس نے کیا کیا، یہ سب احمقانہ طریقے سے ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بحران اتنا شدید ہے کہ ہم ابھی اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے ہیں اور اس بحران کا باعث بننے والے وہ لوگ ہیں جو آج کل اوباما کی معاشی پالیسیاں تشکیل دے رہے ہیں۔

ڈین بیکر جوان چند ماہرین معاشیات میں سے ہیں جو اس صورت حال کو دیکھ رہے تھے، لکھتے ہیں کہ اس بحران سے نمٹنے کے لئے اوباما کی معاشی پالیسی ترتیب دینے والے لوگوں کا انتخاب بالکل ایسے ہی ہے جیسے اسامہ بن لادن کو دہشت گردی کے خلاف لڑی جانے والی نام نہاد جنگ کا منتظم بنادیا جائے۔

کلنٹن عہد میں اس کے خزانے کے سکریٹری رابرٹ روبن اور لارنس سمرز، وہ دو افراد ہیں جو موجودہ بحران کے حقیقی ذمہ دار ہیں۔ لارنس سمرز نے اصول وضوابط کی پابندی کو ناممکن اور مداخلت کاروں کی دخل اندازی کو ممکن بنایا۔ سمرز کے بعد آنے والے روبن نے گلاس سیگل ایکٹ کی جڑوں کو کھوکھلا کیا۔ یہ سب کچھ انتہائی مضحکہ خیز تھا۔ گلاس سیگل ایکٹ کمرشیل بینکوں کو تحفظ دیتا تھا کہ وہ اس کی سرمایہ کاری کرنے والی فرموں، انشورنس فرموں اور اس طرح کے دوسرے اداروں کو قرضے نہ دیں، اس ایکٹ کی وجہ سے معیشت کو تحفظ حاصل تھا۔ اس ایکٹ کا ۱۹۹۹ء میں خاتمہ کردیا گیا اور ایسا روبن کے زیر اثر ہوا جس کے فوراً بعد روبن نے محکمہ خزانہ کو چھوڑا اور سٹی بینک کا ڈائریکٹر بن گیا جس نے گلاس سیگل ایکٹ کے خاتمے سے خوب فائدہ اٹھایا اور ''مالیاتی سپر مارکیٹ'' کا روپ دھارلیا۔ اسے تقدیر کا ستم ہی کہہ سکتے ہیں کہ اب وہی سٹی بینک اپنے بچاؤ کے لئے ٹیکس دینے والوں سے سبسڈی لے رہا ہے اور چند ہفتے قبل ہی ان کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ سٹی بینک ڈوب رہا ہے۔ اب وہ اسی ایکٹ کے دوبارہ نفاذ کی کوشش کررہا ہے۔ روبن کو رسوا ہوکر وہاں سے استعفیٰ دینا پڑا، جو کہ اس ساری تباہی کا اکیلا ذمہ دار ہے۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ یہی شخص اوباما کا معاشی معاملات میں مشیر قرار پایا ہے اور اس کے ساتھ دوسرا مشیر لارنس سمرز ہے، جبکہ خزانے کا سکریٹری سمرز کے حمایت یافتہ گیٹز کو چنا گیا ہے۔ یہ نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے حالانکہ ان کے پاس ڈیوڈ فیلکس جیسے ماہر معاشیات بھی موجود ہیں جو کئی سال سے اس موضوع پر لکھ رہے ہیں۔

لوگ اب کینز کی معیشت کی طرف واپسی کی باتیں کررہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا مسئلہ معاشی اصولوں کی پیروی نہ کرنے کی وجہ سے کھڑا ہوا ہے۔ اب معیشت کو سوشلائز کرنے کا واویلا مچایا جارہا ہے اور مالیاتی اداروں کے لئے بیل آؤٹ پیکیج پیش کئے جارہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ایک طرح سے ہم سوشلزم کی طرف جارہے ہیں، لیکن بہت مصنوعی طریقے سے۔ معیشت دوسری جنگ عظیم کے بعد ہمیشہ سوشلائز رہی ہے۔ یہ فقط ایک مبہم سوچ ہے کہ معیشت مہم جوئی اور صارف کی بنیاد پر کھڑی ہے۔ صرف ایک حد تک یہ بات درست ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشی نظام کا مرکزی ستون اس میں ریاست کا کردار ہے۔ مثال کے طور پر کمپیوٹر کی صنعت کے زیر اثر آنے والے گزشتہ معاشی عروج کو دیکھیں۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی صنعت گزشتہ تیس برسوں سے حکومتی کنٹرول میں ہے، اس پر تحقیق، ارتقاء اور اس کی حفاظتی تدابیر تمام مراحل حکومتی نگرانی میں طے پاتے ہیں اور پھر جاکر اسے پرائیویٹ ملکیت میں دیا جاتا ہے تاکہ وہ نفع کماسکیں۔ ریاستی سیکٹر اختراع پسند اور متحرک ہوتا ہے اور آپ الیکٹرونکس فارماسوٹیکل سے لے کر بائیو انڈسٹری تک سب میں یہ دیکھ سکتے ہیں۔

دراصل اس معیشت کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ لوگ شئے کی قیمت چکاتے ہیں اور رسک بھی لیتے ہیں اور اگر کوئی منافع ہوتا ہے تو اسے ظالم کارپوریٹ سیکٹر کے حوالے کردیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کی تفصیلی وضاحت میں بہت سے بکھیڑے ہیں۔ لیکن مرکزی نقطہ یہی ہے۔ ہاں رسک اور پیداواری قیمت (نفع نہیں) کی سوشلائزیشن مالیاتی اداروں میں نیا حال ہے لیکن یہ بھی بہ امر مجبوری اپنایا گیا ہے۔

جہاں تک آئی ایم ایف جیسے مالیاتی اداروں کے کردار کی بات ہے تو اس کرائسس میں بنیادی کردار اس جیسے مالیاتی اداروں نے ادا کیا ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ان اداروں کی طرف سے امیر ملکوں میں موجودہ بحران کے خاتمے کے لئے مختلف حل تجویز کئے جارہے ہیں جبکہ غریب ملکوں میں موجود بالکل اسی بحران کے لئے مختلف تجاویز دی جارہی ہیں۔ جب ترقی پذیر ملکوں میں معاشی بحران سے نمٹنے کے لئے تجاویز دی جاتی ہیں تو کچھ اس طرح ہوتی ہیں: شرح سود بڑھایئے، معاشی شرح نمو گھٹایئے، اپنا بیلٹ کس لیں، قرضے واپس کریں (امریکہ کو) نجکاری کریں اور اس طرح کی دوسری ہدایات۔ اس کے مقابلے میں بالکل اسی قسم کے معاشی بحران سے نکلنے کے لئے ترقی یافتہ ملکوں کو اس قسم کی تجاویز دی جاتی ہیں۔ شرح سود گھٹایئے، معاشی ترقی کے لئے حکومتیں اس میں سرمایہ کاری کریں، ادارے قومیائیں (اگرچہ یہ لفظ کہا نہیں جاتا) اور اس طرح کی دوسری ہدایات۔ یہ ہے وہ دوہری پالیسی جو غریب ملکوں کے لئے کچھ اور ہے اور امیر ریاستوں کے لئے اور۔

جہاں تک آئی ایم ایف کی بات ہے، وہ ایک خود مختار ادارہ نہیں ہے، دراصل یہ امریکی محکمہ خزانہ کی ایک شاخ ہے اور اس کا کام سرمایہ کار ملکوں کا دفاع کرنا ہے۔ مثال کے طور پر میں آپ کو رقم ادھار دیتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اسے واپس نہیں کرسکیں گے تو میں شرح سود بلند رکھوں گا کہ کل اگر آپ دیوالیہ ہوں تو میرا سرمایہ محفوظ رہے۔ فرض کریں اگر ایک مقام ایسا آتا ہے کہ آپ یہ قرضہ واپس نہیں کرسکتے تو یہ میرا سر درد ہے، یہ ہے سرمایہ دارانہ نظام کا میکنزم۔ اگر آپ ایک رسکی سرمایہ کاری کرتے ہیں تو اس کا رسک بھی آپ کو لینا چاہئے مگر نئے مالیاتی نظام میں اس قسم کی صورتحال پیدا ہوتے ہی آئی ایم ایف دخل اندازی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر بلند شرح سود پر ارجنٹائن کو قرضہ دیا جاتا ہے اور وہ اسے واپس نہیں کرپاتا تو قرضہ دینے والے ممالک کا محافظ آئی ایم ایف ارجنٹائن کے لوگوں سے یہ قرضہ وصول کرے گا جن کا پورے معاملے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ یہ قرضہ عام طور پر آمروں یا پھر حکومت کرنے والی اشرافیہ کو دیا جاتا ہے جو سوئٹزر لینڈ کے بینکوں میں جمع ہوتا ہے لیکن یہ قرضہ ملک کے غریب عوام کو چکانا پڑتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق آپ کو دیا گیا قرضہ آپ کے ہمسائے سے واپس نہیں لیا جاتا، لیکن آئی ایم ایف ایسا ہی کرتا ہے کیونکہ اس کا مقصد صرف اور صرف سرمایہ کاروں کو تحفظ دینا ہے۔ آئی ایم ایف سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اصولوں کے بھی خلاف ہے، جو آمروں کو قرضہ دیتا ہے اور پھر عوام سے وصول کرتا ہے۔

جنوب کے کچھ ملکوں نے اس نیو۔ لبرل تباہی سے خود کو آزاد کرانے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر دوبارہ ارجنٹائن کو لیں، جو اپنا قرضہ واپس نہیں کرسکتا یا پھر وہ اپنے نظام کی تشکیل نو کرکے کچھ قرض واپس کرتا ہے اور اس کا صدر اعلان کرتا ہے کہ ہم نے آئی ایم ایف سے نجات پائی ہے۔ اس صورت میں آئی ایم ایف کے ساتھ کیا ہوگا، وہ مشکل کا شکار ہوگا، اس کے سرمائے کا نقصان ہوگا اور قرضہ لینے والوں کی تعداد میں کمی ہوگی اور اس وجہ سے وہ کریڈٹ کمیونٹی کا محافظ ثابت نہ ہوسکے گا، لیکن یہ بحران کو دراصل اپنی تشکیل نو اور اپنے احیاء کا ذریعہ بتاتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سے ممالک برآمدات کی طرف متوجہ ہورہے ہیں لیکن ان کے لئے مسائل تب پیدا ہوتے ہیں جب برآمداتی اشیاء کی قیمتیں کم کردی جائیں۔ جنوبی امریکہ کے ملکوں کے ساتھ یہی ہوا، چلی کی مثال لیں، اس کی معیشت کا انحصار کاپر کی برآمد پر تھا، کاپر کی دنیا میں سب سے بڑی کمپنی کوڈیسکو، جو صدر سلواڈور ایلنڈی نے قومی ملکیت میں لی تھی اور جسے کوئی بھی پرائیویٹائز نہ کرسکا کیونکہ وہ فائدے میں جارہی تھی، اس کی جڑیں کھوکھلی کی گئیں جس کی وجہ سے اب وہ ماضی کے مقابلے میں کاپر کی کم مقدار کو کنٹرول کرتی ہے، لیکن آج بھی یہ چلی کی معیشت میں اہم کردار ادا کررہی ہے۔ لیکن معیشت کو صرف کاپر کی برآمد پر منحصر کردینا غیر یقینی صورتحال کا سبب بن سکتا ہے۔ کیونکہ کسی بھی وقت اس کی قیمت کم ہوسکتی ہے۔ چلی کی معیشت کا دوسرا سہارا پھلوں اور سبزیوں کی برآمدات ہیں اور وہ بھی قیمتوں میں اچانک کمی کے خطرے کی وجہ سے غیر یقینی ہے۔ چلی ابھی تک خام مال کی برآمد پر انحصار کی پالیسی پر عمل پیرا ہے جو یقینی سہارا ثابت نہیں ہوسکتی۔ بالکل یہی بات چند ترقی کرتی ہوئی معیشتوں کے حوالے سے کہی جاسکتی ہے جیسے پیرو اور برازیل جو معدنیات اور زرعی اشیاء پر انحصار کرتے ہیں۔ یہ معیشت کی مستحکم بنیاد ثابت نہیں ہوسکتی۔

جنوبی کوریا اور تائیوان کی مثال ہی صرف اس اصول سے مبرا ہے۔ یہ بہت غریب ملک تھے جنوبی کوریا ۱۹۵۰ء میں اس مقام پر تھا جہاں آج کل گھانا ہے۔ لیکن انھوں نے جاپانی معیشت کی مثال کی پیروی کی، انھوں نے آئی ایم ایف اور مغربی طاقتوں کے اصولوں کو پامال کیا اور اپنی ترقی کی بنیادیں ان اصولوں پر رکھیں جن پر مغربی طاقتوں نے رکھی تھیں یعنی معیشت میں ریاست کے کردار کو بڑھا کر۔ اس طرح جنوبی کوریا نے اسٹیل کی صنعت کو ترقی دی، ان کی اسٹیل کی صنعت اس وقت دنیا بھر میں متاثر کن ہے جس کے بارے میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نے کہا تھا کہ یہ ناممکن منصوبہ ہے مگر سرمائے کا فرار جمہوریت کی راہ میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ بریٹن وڈ نظام کے تحت سرمائے کے فرار پر قابو پایا جاسکتا ہے لیکن گزشتہ تیس برسوں میں آزاد معیشت نے اس نظام کی یہ صلاحیت مفلوج کردی ہے۔ جنوبی کوریا میں سرمائے کے فرار میں ملوث افراد کو سزائے موت دی جاسکتی ہے۔ اس لئے وہ معیشت کو ٹھوس بنیادوں پر تعمیر کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں، اسی طرح تائیوان بھی۔ چین کی کہانی اگرچہ تھوڑی سی مختلف ہے لیکن اس نے بھی آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے اصولوں کو پس پشت ڈال کر ترقی کی ہے۔ جدید دنیا کی معیشت میں یہ نمایاں ملک کہے جاسکتے ہیں۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں امریکہ کی ترقی کا راز بھی اس کی ''محفوظ معیشت'' کہی جاسکتی ہے۔ بہت سی پابندیوں کی وجہ سے 'پرائیویٹ سیکٹر کا کردار ثانوی رہا۔ ریاست کی مداخلت اور متحرک مداخلت اس ترقی کی وجہ تھی۔ اسٹیل انڈسٹری اور آئی بی ایم کے علاوہ اسلحہ سازی کی صنعت اس حوالے سے مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن امریکی معیشت میں پرائیویٹائزیشن کے رجحان کی وجہ سے مسائل کھڑے ہورہے ہیں۔ پرائیویٹ بیوروکریسی اور انتظامیہ کے اخراجات کی مد میں معیشت کو بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

جنوبی امریکہ میں گزشتہ دس برس میں بہت سے اقدامات کئے گئے ہیں جو انہیں آزادی کی طرف لے جارہے ہیں۔ ان میں ایک قسم کا اتحاد نظر آتا ہے اور وہ اپنے داخلی مسائل پر بحث کررہے ہیں۔ کیراکاس میں قائم ہونے والے ''ساؤتھ بینک'' نے اگرچہ ابھی کام شروع نہیں کیا لیکن اس کا مستقبل خوش آئند ہے اور بہت سے ملک اس کی مدد بھی کررہے ہیں۔ MERCOSUR جنوبی امریکہ کا تجارتی زون تخلیق کیا گیا ہے۔ ایک اور متاثر کن قدم جنوبی امریکی ریاستوں کا اتحاد UNASUR ہے جس کے بارے میں امریکہ میں بات ہی نہیں کی جارہی کیونکہ یہ خطرناک ہے۔ چنانچہ جب بولیویا میں امریکہ اور اس کی روایتی بولیوین اشرافیہ نے جمہوری انقلاب کا تختہ الٹنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں ہنگامے شروع ہوئے تو UNUUR کا سینٹیاگو میں اجلاس ہوا جس میں ان ممالک نے ایک سخت مزاحمتی بیان جاری کیا اور جمہوری عمل سے منتخب ہونے والے صدر ایوو موریل کی حمایت کی۔ موریل نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ پانچ سو سال میں یہ پہلی دفعہ ہوا ہے جب جنوبی امریکہ کے عوام نے اپنی تقدیر اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ بہت اہم پیش رفت ہے۔ اتنی اہم کہ اسے امریکہ میں رپورٹ تک نہیں کیا جارہا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ باہمی اتحاد کی یہ جنوبی امریکی کوششیں کس حد تک کامیاب ہوتی ہیں لیکن بہر حال یہ اہم ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کے آپس کے تعلقات میں بھی تبدیلی آرہی ہے۔ مثال کے طور پر برازیل اور جنوبی افریقہ کے تعلقات۔ یہ بھی استعمارانہ اجارہ داری یعنی امریکہ اور مغربی طاقتوں کی اجارہ داری کے خاتمے کی طرف اہم قدم ہے۔ چین بھی اس تبدیلی میں ایک نمایاں عنصر ہے، تجارت اور سرمایہ کاری میں اضافہ ہورہا ہے اور اس سے جنوبی امریکہ کے لئے ممکنات کے بہت سے دروا ہوں گے۔ موجودہ معاشی بحران نے امکانات روشن کررہا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو، لیکن بہر حال موجودہ معاشی بحران کمزور ملکوں کے غریب اور پسماندہ عوام کے لئے مسائل پیدا کررہا ہے۔ اگر ان ملکوں کے عوام کوئی مقبول تحریک چلاکر اپنا مقدر اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں جیسا کہ بولیویا کے صدر موریل کا کہنا ہے تو یقیناً امکانات کا دران کے لئے کھلا ہوا ہے۔

[چومسکی معروف ماہر لسانیات، مصنف اور خارجہ امور کے ماہر ہیں]

جرائم پر قابو پانے کے کارگر علاج کی ضرورت

عارف عزیز، بھوپال

ہندوستان میں جرائم کی شرح جس تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے نے مجرموں اور بدکردار لوگوں کے آگے سپر ڈال دی ہے اور مرکزی حکومت ہو یا ریاستی حکومتیں، سب کا کام جرائم پر قابو پانا نہیں بلکہ ان کے اعداد وشمار جمع کرنا رہ گیا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ملک کے شہری خوف و دہشت کے ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں کہ کب راہ چلتے اور کسی علاقے سے گزرتے وہ عادی مجرم کا نشانہ بن جائیں یا ان کے افراد خاندان کو کوئی پیشہ ور مجرم لوٹ کا شکار بنادے۔

کہنے کو جرائم آج پوری دنیا میں ہورہے ہیں اور ہر جگہ ان کی شرح میں اضافہ ہورہا ہے لیکن ہمارے ملک میں جرائم کی رفتار اس کی آبادی میں اضافہ سے کہیں زیادہ ہے۔ چنانچہ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۸ء کے درمیان اگرچہ پچیس فیصد آبادی بڑھی مگر اس دوران جرائم کی تعداد میں پچاس فیصد کا اضافہ نوٹ کیا گیا جبکہ جرائم کے اعداد وشمار کی کھوج کرنے والے ماہرین کا کہنا ہے کہ جن واقعات کی تفصیلات عام طور پر معلوم ہوجاتی ہیں وہ حقیقی طور پر رونما ہونے والے واقعات کا بہت کم حصہ ہوتے ہیں اور حکومت ان کی تفصیل جاننے کے بعد واحد کام یہ کرتی ہے کہ پولیس کی بھرتی میں بہت معمولی اضافہ کردیتی ہے مگر اضافے کے بعد بھی جرائم کی شرح میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی کیونکہ مجرمانہ سرگرمیوں پر نظر رکھنے والی پولیس بھی جرائم کا انسداد نہ کرکے مجرموں کی پشت پناہ بن جاتی ہے، آج اگر ہمارے معاشرے میں قتل وغارتگری، ڈاکہ، لوٹ اور عصمت فروشی، عصمت دری روزمرہ کا معمول بن گئے ہیں تو اس کی بنیادی ذمہ داری انتظامیہ اور اس پولیس پر عائد ہوتی ہے جس پر سالانہ کروڑوں اربوں روپے خرچ ہورہے ہیں۔

جرائم میں روزمرہ کے اس اضافے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے ملک کے عام لوگ سماج دشمن عناصر سے مقابلے کی ہمت کھو بیٹھے ہیں وہ اپنی نگاہوں کے سامنے ظالم کے ظلم اور مظلوم کی بے کسی کو دیکھتے ہیں لیکن مداخلت کی جرأت کرتے ہیں نہ مجرموں کی نشاندہی اور نہ عدالت تک جاکر ان کے خلاف گواہی دینے کا حوصلہ دکھاتے ہیں۔ جبکہ یہ طرز عمل کسی بھی ذمہ دار شہری کے شایانِ شان نہیں، انسانی خودداری کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر بے گناہوں کی زندگی کو بچالیا جائے۔

سماج دشمن عناصر کی سرگرمیوں میں اس ہوش ربا زیادتی کی تیسری وجہ یہ ہے کہ آج ایسے عناصر کو سماج میں باعزت مقام دیا گیا ہے، تمام اخلاقی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر انہیں نہایت ڈھٹائی کے ساتھ سیاسی جماعتوں میں جگہ دے دی گئی ہے الیکشن کے موقع پر ٹکٹ پیش کردیئے جاتے ہیں اور جو جتنا برا مجرم ہے اسی قدر اس کے اثر ورسوخ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ معاشرتی اقدار میں یہ تبدیلی ایک دو سال کا نہیں بلکہ گزشتہ پچاس ساٹھ برس کے سیاسی عمل ودخل کا ایک فطری نتیجہ ہے۔

عام طور پر ناخواندہ یا کم پڑھے لکھے جرم کی دنیا میں پناہ لیتے تھے، آج تجربہ میں یہ بات آرہی ہے کہ نوجوان اور تعلیم یافتہ عناصر کی تعداد مجرمانہ سرگرمیوں میں بڑھ رہی ہے جو سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی کا منفی استعمال کرکے راتوں رات مالدار بن جانا چاہتے ہیں، جعلی کرنسی، جعلی سرٹیفکیٹ، جعلی پاسپورٹ اور ویزا کے واقعات کے علاوہ سائبر کرائم جیسی نئی اصطلاحات اسی لئے وجود میں آرہی ہیں۔

دوسری طرف ہمارے ملک کے قانون میں انصاف دلانے کی طاقت کم ہوتی جارہی ہے، معاشرے میں ناانصافی، ظلم و زیادتی، حق تلفی اور بداخلاقی کا بول بالا ہے، جرائم کے اس مانسون کو روکنے کے لئے جن تجاویز پر اب تک غور وفکر ہوا، وہ بھی بارآور ثابت نہیں ہوسکیں کیونکہ ایسی تجاویز کے محرکین یہ نہیں جانتے کہ جرم کہاں سے کہاں

باقی صفحہ ۸ پر

قرآن مجید کی امتیازی خصوصیات

مولانا قاری ھدایت اللہ خان

سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب:

''حقیقت یہ ہے کہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے'' (بنی اسرائیل:9)

قرآن مجید کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ بالکل سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔اس کے بتائے ہوئے راستے میں کہیں کوئی ٹیڑھ اور کجی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اس کے راستے پر چلا وہ کامیاب ٹھیرا اور جس نے اپنا الگ راستہ بنانے کی کوشش کی وہ ناکام و نامراد ہوا۔قرآن کی دعوت کا بنیادی نکتہ کہ جس کے گرد اس کی ساری تعلیمات کا دائرہ ہے وہ توحید ہے، وہ اصل معیار ہے کہ جس کے ذریعے بندوں کو جانچا اور تولا جاسکتا ہے۔ توحید انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کردیتی ہے۔ ایک حصہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو توحید کے جاننے والے ہیں اور انہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بے شمار انعامات تیار کر رکھے ہیں اور دوسرا حصہ یا گروہ ان لوگوں کا ہے جو توحید کو مانتے ہی نہیں۔ لہٰذا ان کو دردناک عذاب کی خبر بھی قرآن دیتا ہے۔ قرآن صرف سیدھے راستے کی ہدایت ہی نہیں دیتا بلکہ بالکل سیدھے راستے کی طرف بلاتا ہے۔اس لحاظ سے اگر کوئی قرآن کو چھوڑ کر کہیں اور سیدھی راہ کو تلاش کرے گا تو سوائے ناکامی کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ قرآن وہ سیدھا راستہ دکھاتا ہے جس پر چل کر انسان فلاح دارین یعنی دنیا اور آخرت دونوں کی خوشیاں حاصل کرسکتا ہے۔دنیا میں اللہ کی رضا حاصل ہوگی جب بندہ قرآن کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق دنیا کی زندگی گزارے گا اور آخرت میں اللہ کی طرف سے انعامات ملیں گے جب قرآن سے ہدایت حاصل کی ہوگی۔قرآن نے انسان کو دونوں راستوں کی نشاندہی کردی ہے کہ ایک راستہ وہ ہے جو بظاہر کٹھن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس راہ پر چل کر انسان نیکیاں سمیٹے گا اور نتیجہ خوشنودیٔ رب کا باعث ہوگا۔اور دوسرا راستہ جو بظاہر بہت حسین نظر آتا ہے لیکن وہ جہنم کے گڑھوں میں پھینکنے والا راستہ ہے، لہٰذا قرآن نے واضح انداز میں یہ بات کہہ دی کہ: ''ہم نے دونوں راستوں کی طرف ہدایت کردی ہے'' (بلد:10) ۔ یہ دونوں راستے کون سے ہیں؟ ایک وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی فلاح وکامرانی کے لیے پسند فرمایا ہے۔جس میں انسان جتنا زیادہ اللہ کی اطاعت کرے گا اتنا اس کا قرب حاصل کرے گا۔اور دوسرا راستہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے ناپسند فرمایا ہے کہ اگر انسان ایسے راستے پر چلا کہ جس پر چل کر وہ رب کو ناراض کرے گا تو یقیناً اس کے لیے خسران کا باعث ہوگا۔ اسی لیے قرآن یہ بات بیان کرتا ہے کہ: ''چاہے انسان اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ بنے چاہے ناشکرا'' (دھر:3)۔شکرگزار بندہ بننے کا مطلب یہ ہے کہ شکر کا سب سے بہترین طریقہ ہے کہ انسان اللہ کی اطاعت کرے، لہٰذا جس نے اللہ کی اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ کا شکر ادا کردیا۔ اور ناشکری یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی کی جائے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور انسان کبھی فلاح نہیں پاسکتا، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ لہٰذا قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ انسان کو بالکل سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''طریق اقوام: قرآن جس طریقے کی ہدایت کرتا ہے اس کو اقوام کہا گیا ہے۔اقوام کی تفسیر یہ ہے کہ وہ رستہ جو منزل مقصود تک پہنچانے میں قریب بھی ہو، آسان بھی ہو، خطرات سے خالی بھی ہو۔ (قرطبی) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم انسانی زندگی کے لیے جو احکام دیتا ہے وہ ان تینوں اوصاف کے جامع ہیں۔اگرچہ انسان اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے بعض اوقات اس راستے کو دشوار یا پُرخطر سمجھنے لگے لیکن رب العالمین جو کائنات کے ذرے ذرے کا علم رکھتا ہے اور ماضی و مستقبل اس کے سامنے یکساں ہے وہ ہی اس حقیقت کو جان سکتا ہے کہ انسان کا نفع کس کام اور کس صورت میں زیادہ ہے۔ اور خود انسان چونکہ مجموعی حالات سے واقف نہیں، اس لیے وہ اپنے بھلے برے کو بھی پوری طرح نہیں پہچان سکتا۔''

(بحوالہ: معارف القرآن، مفتی محمد شفیعؒ، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 441، ادارۃ المعارف، کراچی)

مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ اپنی تفسیر ''تیسیر القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''اس سے پہلے تورات کا ذکر ہورہا تھا جس پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل پر متعدد بار دینی و دنیوی مصائب نازل ہوئے۔ درآنحالیکہ انہیں پہلے سے ہی متنبہ کردیا گیا تھا کہ اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو تمہارا ایسا انجام ہوگا۔اس کے بعد قرآن مجید کے متعلق دو باتیں ارشاد فرمائیں۔ایک یہ کہ تمام دینی اور دنیاوی معاملات میں جو کچھ بھی اچھے سے اچھے دستور اور منزل مقصود کا جو راستہ سب سے سیدھا ہے اس کی طرف یہ قرآن رہنمائی کرتا ہے۔قرآن نے انسان کو ہدایت دی، پھر اس کی سعادت اور شقاوت سے متعلق کوئی بات نہیں چھوڑی۔ دوسرے یہ کہ اچھے اور برے کاموں کے انجام سے بھی پوری تفصیل سے آگاہ کرتا ہے جس کا ظہور عالم آخرت میں ہوگا جب کہ تورات میں آخرت سے متعلق بہت کم تفصیل دی گئی ہے۔''

(بحوالہ: تیسیر القرآن، مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ، جلد نمبر2، صفحہ نمبر 570، مکتبہ السلام، لاہور)

اہل ایمان کو بشارت دینے والی کتاب:

''جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔'' (بنی اسرائیل:9)

قرآن مجید کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو بشارت یعنی خوشخبریاں دیتا ہے اور ان کو اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے۔ قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد، کہ ہمارے رب نے ہمارے لیے کیا کیا انعامات تیار کر رکھے ہیں، قرآن ان لوگوں کو خوشخبری دیتا ہے اس بات کی کہ جن لوگوں نے اللہ کے دین کو قبول کیا، اپنی زندگیوں کو اسی کے سانچے میں ڈھالا اور پھر نتائج کی پروا کیے بغیر وہ اطاعت الٰہیہ میں مگن ہوگئے، ان کے لیے ان کے رب کی طرف سے بہت بڑا اجر رکھا گیا ہے جو انہیں اپنے رب سے ملاقات کے وقت ملے گا۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ قرآن مومنین کو مشکلات پر عزیمت کا راستہ اپنانے کے بعد اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ یہ دنیاوی مسائل چندروزہ ہیں لیکن اس کے صلے میں جو انعام اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا وہ لازوال نعمتیں ہوں گی۔ یہ دراصل ایک طرح کی تسلی بھی ہے کہ اگر کہیں دنیاوی یا مادی نقصان ہوتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے بہت بڑے اجر سے نوازے گا جو یقیناً ان دنیاوی اشیاء کے مقابلے میں ہر درجہ عظیم ہے۔جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے راستے میں عزیمت کا راستہ اختیار کیا انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور خوش ہوجاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہوگے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کروگے وہ تمہاری ہوگی، یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور و رحیم ہے''۔(حم السجدہ:30تا32)

ان آیات کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن اہل ایمان کو ایمان پر استقامت یعنی مشکلات کے باوجود اسی راہ عزیمت کے رہ رو بننے پر جنت اور اطمینان قلبی کی بشارت دیتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے بندۂ مومن کو اس دنیا میں بھی تسلی دیتے ہیں اور آخرت کی سختیوں میں بھی ساتھ رہتے ہیں۔ قرآن کی اس خصوصیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ قرآن اپنی پیشنگوئیوں کے ذریعے خوشخبریاں دیتا ہے کہ یہ حالات بظاہر بہت کٹھن اور صبر آزما ہیں لیکن آئندہ ایک وقت ایسا آئے گا جب اہل ایمان ہی سرخرو ہوں گے، بشرطیکہ وہ حقیقی اہل ایمان ہوں۔ لہٰذا یہ بات سمجھنا چنداں مشکل نہیں کہ قرآن اہل ایمان کو خوشخبریاں اور بشارتیں دیتا ہے ایمان پر، استقامت پر، دین پر عمل کے بعد آخرت کے انعام پر، اطاعتِ الٰہیہ کے بعد رب کی رضا کے حصول پر۔اب اہل ایمان کا کام یہ ہے کہ وہ قرآن کے بتائے ہوئے اصولوں کے تحت اپنی معاشرتی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کو گزاریں اور کسی لمحے بھی اطاعت ربانی کے دائرے سے باہر نہ نکلیں۔ قرآن کی بشارت کے اصل حقیقی حق دار لوگ وہ ہیں جو قرآن سے گہرا تعلق قائم کرتے ہیں۔قرآن کو پڑھتے، سمجھتے، اس پر عمل کرتے اور اس کی دعوت دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ مبشرات قرآنی سے حقیقی طور پر وہی لوگ فیضیاب ہوتے ہیں جو قرآن کو کلام الٰہی سمجھتے ہوں۔ اس لحاظ سے قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اہل ایمان کو ان کے نیک اعمال پر اللہ کی رضا، جنت کے انعامات اور آخرت میں کامرانی کی خوشخبری اور بشارتیں دیتا ہے۔

علامہ سید قطب اپنی تفسیر ''تفسیر فی ظلال القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''عمل اور جزائے عمل کا یہ بنیادی اصول ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے نتائج مرتب ہوں گے۔ ایمان اور عمل صالح دونوں ضروری ہیں۔بغیر ایمان کے عمل مفید نہیں ہے اور بغیر عمل کے صرف ایمان معتبر نہیں ہے۔ اگر ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ ناتمام مسلمانی ہے۔ اور عمل بلا ایمان بھی بے بنیاد ہے۔ ایمان اور عمل دونوں ہوں تو زندگی راہ راست پر چلتی ہے اور ایمان اور عمل دونوں ہوں تو انسان ہدایت اخذ کرسکتا ہے۔''

(بحوالہ: فی ظلال القرآن، علامہ سید قطب شہید، جلد4، صفحہ 377، ادارہ منشورات اسلامی، لاہور)

مولانا عبد الرحمٰن کیلانی اپنی تفسیر ''تیسیر القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''یعنی اس کتاب کا بھی اور اسی طرح جملہ آسمانی کتابوں کی تعلیم کا بھی لب لباب یہی ہے کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے، اس دن تمام لوگوں کو ان کے اچھے یا برے اعمال کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے، لہٰذا ہر شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ کے حضور جواب دہی کی وجہ سے اس دنیا میں اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنی زندگی بسر کرے اور جو اللہ کے فرماں بردار بن کر رہیں۔ انہیں جنت اور دائمی خوشیوں کی بشارت بھی دیتی ہے۔'' (بحوالہ: تیسیر القرآن، مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ جلد 2، صفحہ 620، مکتبۃ السلام، لاہور)

••

اعتماد کا تحفہ

آصف ریاض

26 جنوری 2009 کی صبح بال کٹانے کے لئے دلی کے خان پور میں واقع ایک سیلون جانے کا اتفاق ہوا۔ابھی میں سیلون میں لگی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ پیچھے سے ایک شخص نمودار ہوا، اس نے میری گردن میں کپڑا لپیٹ دیا اور ہاتھ میں قینچی لے کر میری حجامت بنانے کے لئے آگے بڑھا۔ میں نے اسے بغور دیکھا۔ وہ ایک کم سن بچہ تھا۔ وہ مشکل سے گیارہ بارہ سال کا رہا ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ بچہ میرے ہیئر اسٹائل کو خراب کردے گا۔

مجھے دوسرے دن آفس بھی جانا تھا۔ میں نے بچے کے ہاتھوں بال کٹانے سے منع کردیا، اور کرسی سے نیچے اتر گیا۔ابھی میں کرسی سے نیچے اترا ہی تھا کہ ایک شخص آیا ،اور وہ کرسی پر براجمان ہوگیا۔ بچے نے حسب معمول اس کی گردن میں کپڑا لپیٹ دیا۔لیکن میری ہی طرح اس شخص نے بھی بال کٹانے سے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ ''میں اتنی دور سے اس لئے نہیں آیا ہوں کہ ایک بچہ کے ہاتھوں اپنے ہیئر اسٹائل کو خراب کراؤں''۔ وہ بچہ کافی پریشان اور غمگین نظر آرہا تھا۔ اس نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اپنے مالک کو دیکھا اور کہا کہ یہ لوگ ہم سے بال نہیں کٹا رہے ہیں۔ بچے کا غم مجھ سے دیکھا نہیں گیا۔ میں نے سوچا کہ یہ بچہ اپنی کم عمری میں جائز طریقے سے اپنا رزق تلاش کررہا ہے، لیکن لوگ اسے موقع نہیں دے رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس صورت حال سے تنگ آکر بچہ معاش کمانے کے لئے کوئی اور ذریعہ تلاش کرلے۔مثلاً چوری ڈکیتی شروع کردے، یا سڑکوں پر اتر کر بھیک مانگنا شروع کردے۔ یہ سوچ کر میں بے اختیار آگے بڑھا اور کرسی پر بیٹھ گیا، اور کہا کہ آؤ، تم میرے بال بناؤ۔ میں خاموشی کے ساتھ کرسی پر بیٹھا رہا اور وہ بچہ میرے بال کاٹتا رہا۔ اپنے فن میں اس نے میرے گمان سے زیادہ مہارت کا مظاہرہ کیا۔ وہ ایک ماہر کی طرح میرے بال کتر رہا تھا اور میں اس کی استاذی دیکھ کر جی ہی جی میں مسکرا رہا تھا۔ بال بنانے کے بعد میں نے اسے 20 کا نوٹ تھمایا۔ اپنی مزدوری وصول کرتے ہوئے وہ بہت پراعتماد معلوم پڑ رہا تھا۔ وہ نہایت اعتماد کے ساتھ زمین پر پاؤں جمائے کھڑا تھا، جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ آج میں نے زمین پر اپنے پاؤں جمادئے ہیں اب کوئی بھی میرے پاؤں نہیں اکھاڑ سکتا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ وہ چمک، جس سے نہ صرف اس کا وجود روشن ہو رہا تھا، بلکہ میرا وجود بھی پوری طرح منور ہو اٹھا تھا۔

بظاہر ایسا معلوم پڑتا ہے کہ میں نے اسے کام دیا تھا۔ لیکن نہیں، میں نے اسے صرف کام نہیں دیا تھا، بلکہ میں نے اسے ''اعتماد'' کی وہ طاقت دی تھی، جس کے سامنے کوئی دوسری چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ اعتماد وہ طاقت ہے جس کے ذریعہ انسان کچھ بھی کرسکتا ہے۔ اعتماد کی طاقت انسان کے پاؤں جمادیتی ہے، جبکہ بے اعتمادی انسان کے پاؤں اکھاڑ دیتی ہے۔ بے اعتمادی کے احساس میں جینے والا شخص ہواؤں کے دوش پر رہتا ہے، ہوائیں اسے ادھر سے ادھر اڑائے لیے پھرتی ہیں۔ بے اعتمادی انسان کو یہ موقع نہیں دیتی کہ وہ زمین پر اپنے پاؤں جما سکے اور اپنے آپ کو اسٹینڈ {Stand} کرسکے۔ اگر واقعی آپ کسی کو، کوئی تحفہ دینا چاہتے ہیں تو اسے اعتماد کا تحفہ دیجئے کہ کسی کے لئے اس سے بڑا کوئی اور تحفہ نہیں ہوسکتا۔

عجیب بات ہے کہ بہت سارے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس دوسروں کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ وہ بذات خود مجبور ہیں۔لیکن ایسا نہیں ہے۔جس وقت انسان یہ بول رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے، ٹھیک اسی وقت اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لئے بہت کچھ ہوتا ہے۔انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر چھپے ہوئے خزانے کو جانے۔ اللہ نے انسان کو بے پناہ دولت سے نوازا ہے۔ اگر انسان اپنے اندر چھپے ہوئے خزانے کو جان لے تو وہ کبھی یہ نہیں کہے گا کہ اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ بلکہ وہ یہ بول اٹھے گا کہ اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لئے بہت کچھ ہے۔

انسان دوسروں کو خوشی دے سکتا ہے۔ وہ انھیں پیار و محبت دے سکتا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لوگوں کو اعتماد کی دولت سے مالا مال کرسکتا ہے۔ انسان کو پُراعتماد بنانا کیا ہے؟ انسان کو پُراعتماد بنانا، گویا انسان کو یہ موقع دینا ہے کہ وہ زمین پر باوقار طریقے سے اپنی زندگی گزارے۔

••

بقیہ: دارفور کے باغی گروپ سے سمجھوتہ

بہت کچھ کیا جانا باقی ہے اور قیام امن کا یہ ابتدائی عمل بین الاقوامی عدالت انصاف میں سوڈان کے صدر عمر البشیر کے خلاف مقدمہ چلانے کی کوششوں سے بھی متاثر ہوسکتا ہے۔

معاہدے کا اعلان قطر کے وزیراعظم نے کیا جن کی حکومت گزشتہ منگل سے فریقین کے درمیان مذاکرات میں ثالث کا کردار ادا کررہی تھی۔

شیخ حماد نے دوحہ میں نامہ نگاروں کو بتایا کہ بات چیت میں زبردست پیش رفت ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ معاہدے پر منگل کو دستخط کئے جائیں گے اور اسے تمام فریقین کی حمایت حاصل ہے۔

مارٹن پلاؤٹ کے مطابق معاہدے پر دستخط کے بعد بھی چھوٹی چھوٹی ٹیموں میں مذاکرات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مرحلے پر یہ سمجھوتہ کرکے حکومت بین الاقوامی برادری کو یہ تاثر دینا چاہتی ہے کہ قیام امن کی راہ میں پیش رفت ہورہی ہے۔ لندن میں تحریک انصاف ومساوات کے ایک ترجمان ہارون عبدالحامی نے کہا کہ ہم سب معاہدے کی تائید کرتے ہیں، لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمارے جو لوگ کیمپوں میں ہیں انہیں پریشان نہ کیا جائے اور حکومت انہیں امداد کی فراہمی میں رکاوٹ نہ ڈالے''۔

گزشتہ ہفتے سرکاری فوج نے کہا تھا کہ اس نے تین ہفتے کی لڑائی کے بعد مہجر یہ شہر پر قبضہ کرلیا ہے جو فوجی اعتبار سے کافی اہم مانا جاتا ہے۔ لڑائی میں تیس لوگوں کے مارے جانے کی خبر تھی اور تحریک کے ایک ترجمان نے کہا تھا کہ ان کی افواج جان بوجھ کر پیچھے ہٹ گئی تھیں تاکہ عام شہریوں کو فضائی حملوں سے بچایا جاسکے۔ حکومت اور باغیوں کے درمیان لڑائی چھ سال پہلے شروع ہوئی تھی جس میں اقوام متحدہ کے مطابق اب تک تین لاکھ لوگ مارے جاچکے ہیں جبکہ بائیس لاکھ بے گھر ہوئے ہیں۔ لڑائی اس وقت شروع ہوئی تھی جب افریقی نژاد قبائل نے عرب غلبے والی حکومت پر امتیازی سلوک کا الزام لگاتے ہوئے بغاوت کردی تھی۔ حکومت نے دفاعی ملیشیائیں بنانے کی بات تو تسلیم کی ہے لیکن وہ جنجاوید ملیشیا سے کسی بھی تعلق سے انکار کرتی ہے جس پر سیاہ فام افریقیوں کے بڑے پیمانے پر قتل عام کا الزام ہے۔ سوڈان میں اقوام متحدہ کی قیام امن فوج تعینات ہے لیکن ایک سال گزر جانے کے باوجود اس کی تعداد صرف تیرہ ہزار ہے جبکہ وعدہ چھبیس ہزار کا کیا گیا تھا۔

••

ہند-پاک کو سی آئی اے کی مدد

واشنگٹن- امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ کے مطابق امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے نے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ممبئی حملوں سے متعلق معلومات کے خفیہ تبادلے میں مدد دی تھی۔ اخبار کے مطابق پاکستانی اور ہندوستانی خفیہ ایجنسیوں نے اپنی اپنی معلومات سی آئی اے سے شیئر کیں اور سی آئی اے نے اپنی معلومات کے ذریعہ انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور پھر معلومات کے خفیہ تبادلے میں اہم رول ادا کیا۔معلومات کے خفیہ تبادلے کے بعد ہی پاکستان کے موقف میں تبدیلی آئی اور اس نے یہ اعتراف کیا کہ حملہ آور پاکستانی تھے پھر ان کے خلاف مقدمہ درج کیا۔

مکہ سے مدینہ تک ٹرین سروس کے لیے معاہدہ

مکہ مکرمہ: سعودی عرب نے چین کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے ہیں جس کے تحت مکہ کو عرفات، منیٰ اور مزدلفہ سے ملانے کے لیے ریلوے کا نظام قائم کیا جائے گا۔ سعودی حکومت مسلمانوں کے مقدس مقامات مکہ اور مدینہ کو ریلوے نظام کے ذریعے منسلک کرنے کے منصوبے پر عمل کررہی ہے۔ مکہ سے مدینہ کا سفر تقریباً تین سو چالیس کلومیٹر ہے اور بذریعہ سڑک یہ سفر 4 سے 5 گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ تاہم ریلوے نظام کے قیام سے لوگ صرف آدھے گھنٹے میں مکہ سے مدینہ پہنچ سکیں گے۔ سعودی حکومت اور چین کے درمیان طے پانے والے منصوبے کے تحت 3 سال کے اندر مکہ سے عرفات، منیٰ اور مزدلفہ تک ریلوے لائن بچھائی جائے گی اور اس پر تقریباً 2 ارب ڈالر کا خرچ آئے گا۔ اس ریلوے نظام کا پہلا مرحلہ 2010 میں مکمل ہوجائے گا۔ ادھر چین کے صدر ہوجن تاؤ بھی سعودی عرب کے دورہ پر ہیں، جہاں وہ سعودی حکومت کے ساتھ مختلف منصوبوں پر دستخط کرنے کے علاوہ سعودی عرب میں چینی مزدوروں کو روزگار دلانے کے لیے سعودی حکمرانوں سے بات چیت کریں گے۔ واضح رہے کہ سعودی عرب میں 1600 چینی باشندے کام کرتے ہیں۔ عالمی کساد بازاری کی وجہ سے چین میں بھی بے روزگاری میں اضافہ ہورہا ہے۔

خطوط ومسائل

انتخابات عام کی آمد آمد

بالعموم انتخابات میں سیاسی جماعتیں جو ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں ان میں دھن دھونس دھاندلی کے علاوہ فرقہ پرستی اور ذات پات کے نام پر ووٹ بٹورنا شامل ہے۔ بعض مخصوص سیاسی جماعتوں کے ووٹ بینک بھی ہوا کرتے ہیں جیسے ہندوتووادی تنظیموں بی جے پی اور شیوسینا کے ہیں۔ اسی طرح علاقہ پرستی، طبقہ واریت اور متفرق رجحانات کی حامل جماعتوں کا معاملہ ہے جو محدود مفادات کے حصول کے لئے میدان سیاست میں اترتی ہیں اور اپنی مخصوص شناخت رکھتی ہیں۔ ڈی ایم کے، انا ڈی ایم کے، اکالی دل، آسام گن پریشد وغیرہ اس قبیل کی جماعتیں ہیں۔ ان سب کے جداگانہ ووٹ بینکس ہیں۔ اصولوں اور اقدار پر مبنی سیاست کی بات بھی ہونے لگی ہے۔ انتخابی بدعنوانی کے مذکورہ بالا عناصر خمسہ سے پاک وصاف سیاسی سرگرمی کا تصور گاندھی واد کہلاتا ہے۔ تحریک اسلامی نے بھی سیاست میں شفافیت، اخلاقی اصول واقدار کی پاسداری کا معیار روشناس کرایا ہے اور انتخابات عام کے مواقع پر وہ امیدواروں کو اخلاق و کردار، اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کی فلاح و بہبود کو یقینی بنانے والوں اور حکمرانی میں راج دھرم کا پالن کرنے والوں کے حق میں اپنا ترجیحی معیار انتخاب بناتی رہی ہے۔ اس خصوص میں ہندوستان کے طول وارض میں بالعموم اور آندھرا پردیش میں بالخصوص میدان سیاست کے نوواردوں میں جے پرکاش نرائن (سابق آئی اے ایس افسر) کی لوک ستا پارٹی اور فلم اسٹار چرنجیوی کی پرجا راجیم پارٹی کی آج کل بڑی شہرت ہے اور ریاست کے انتخابات عام کے موقع پر غیر متوقع، حیرت ناک اور چونکا دینے والے نتائج کی پیش قیاسی کی جارہی ہے۔ ان جماعتوں کے انتخابی جلسوں اور لب سڑک مظاہروں میں بڑے بڑے عوامی مجمعے دیکھے جارہے ہیں۔ یہ تو وقت ہی بتلائے گا کہ انتخابی رائے دہی کے دن کتنے پرچے صندوق میں گرتے ہیں۔ بہرحال موجودہ انتخابی مرحلے کو اقدار پر مبنی سیاست کی عوامی مقبولیت کے معیار پر جانچنے کا شاید یہ پہلا موقع ہوگا۔ البتہ مابعد انتخابات تجزیوں کے لئے اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور تحریک اسلامی کے لئے اس کے اعداد وشمار کی اہمیت ہوگی۔ ملکی سطح پر برسراقتدار یو پی اے اور حزب مخالف این ڈی اے میں کانٹے کی ٹکر ہوگی، ایسا کوئی بھی نہیں سمجھ رہا۔ کیونکہ دونوں میں سے کسی کے ہاں بھڑکیلا انتخابی نعرہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی چمتکاری قدآور شخصیت ہے۔ بھلی بری حکمرانی کا بوجھ دونوں ہی جتھوں کو ڈھونا ہے خواہ مختلف سطحوں پر ہی کیوں نہ ہو۔ دہشت گردی اور بازار کی مندی، نچلی ذاتوں اور اقلیتوں کے تحفظات یا ان کی مخالفت، مخصوص خوردنی اشیاء مثلاً پیاز، آلو، پھلوں کی فصلوں کی سیاست بھی ماند پڑگئی ہے۔ سری لنکا کے تمل باشندوں کی حالیہ جنگ میں ہلاکت کا معاملہ ملک گیر نہیں ہے اسی طرح آسام میں نام نہاد بنگلہ دیشیوں کی گھس پیٹھ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ آندھرا پردیش میں تلگودیشم کے ساتھ کمیونسٹوں اور علیحدہ تلنگانہ والوں کے اتحاد سے جو وقتی عظیم اتحاد بنا ہے وہ ملکی سطح پر کوئی مؤثر رول ادا کرسکے گا اس بات کے کوئی آثار نہیں ہیں کیونکہ کل ہند پیمانے پر کسی تیسرے سیاسی متبادل کے امکانات موہوم ہیں۔ لوک سبھا کی چالیس نشستوں میں سے کوئی فیصلہ کن عدد اس اتحاد کو مل سکے گا اس کی مشکل ہی سے قیاس آرائی کی جاسکتی ہے کیونکہ ریاست میں کانگریس بھی اتنی گئی گزری حالت میں نہیں ہے کہ مخالفین بغلیں بجاسکیں۔ یہاں کے مسلم رائے دہندگان گزشتہ انتخابات کے برعکس بکھرے بکھرے رہیں گے۔ متحدہ مسلم فورم معدوم ہوچکا ہے۔ مجلس اتحاد المسلمین کو پہلی مرتبہ انتخابی میدان میں ایک نئے چیلنج کا سامنا ہے۔ نتیجہ خواہ کچھ بھی نکلے لیکن کردارکشی اور شخصی دشمنیوں کا بازار گرمایا جارہا ہے اور مابعد انتخابات عرصۂ دراز تک ملت کو اس بدی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ بہی خواہان ملت کو سوچنا اور فیصلہ کرنا ہے کہ میدان سیاست میں کوئی نمونے کا ضابطہ اخلاق مروج کرنا چاہئے تاکہ ملکی سطح پر قومی جماعتوں کے لئے بھی یہ کارآمد ہوسکے۔ اس سیاسی ضابطہ اخلاق کے خط وخال کچھ اس طرح ہوسکتے ہیں: ☆انتخابات کے دوران دھن دھونس دھاندلی سے مکمل پرہیز ☆انتخابی سرگرمیوں میں کردار کشی دشمنیوں پر مبنی پروپگنڈے سے اجتناب ☆ جھوٹ، دغابازی، غنڈہ گردی اور دیگر خراب انتخابی ہتھکنڈوں کا عدم استعمال۔ ☆جعلی ووٹوں کا بھگتانا، ڈر وخوف ورقمی لالچ دلا کر ووٹ ڈلوانا اور شخصی جعلسازی سے باز آنا ☆دوران انتخاب دیگر اخلاقی بدعنوانیوں سے پرہیز ☆مذہبی وفرقہ واری منافرت، طبقاتی کشمکش اور فساد فی الارض پر مبنی سرگرمیوں کی روک تھام۔ امید کی جاتی ہے کہ سیاسی میدان کی سرگرمیوں کو ان حدود کا پابند کرکے ایک صالح انتخابی ماحول پروان چڑھایا جائے گا اور مثبت وتعمیری پروگرام کو متعارف کرکے شریفانہ طریقے پر رائے دہی کے لئے عوام الناس کو آمادہ کیا جائے گا۔

سید شکیل احمد انور، ۴۹۹، پرانی حویلی، حیدرآباد

پاکستان کی حالت زار اور اسلام پسند جماعتیں

اس وقت دنیائے اسلام کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ ملک امریکہ ہے جس نے ملت اسلامیہ کو بے پناہ نقصان پہنچایا۔ دوسرے نمبر پر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام، تباہ وبرباد کرنے، ظلم وستم ڈھانے والا اگر کوئی ملک ہے تو وہ پاکستان ہے۔ وہ پاکستان جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا، آج ملت اسلامیہ اور اسلام کے لئے قتل گاہ بنا ہوا ہے۔ پاکستان کی بہادر فوجیں ہی نہیں بلکہ غیرملکی فوجوں کو بھی مسلمانوں کا خون بہانے کی کھلی چھوٹ ہے۔ پاکستانی اور غیرملکی افواج کی بمباری سے بے گناہ شہری، عورتیں، معصوم بچے مارے جارہے ہیں۔ سخت سردی میں لاکھوں افراد اپنا گھربار چھوڑ کر کھلے آسمان کے نیچے پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ گزیں ہیں، ان کی حالت زار سن کر دیکھ کر ہر دردمند دل تڑپ رہا ہے لیکن...... ان اندوہناک خبروں، لرزادینے والے واقعات خون کے آنسو رلانے والے حادثات پر پاکستان کے حکمرانوں کا دل نہیں تڑپتا بلکہ اور سخت کارروائی کرنے کا جواز پیدا کیا جاتا ہے اور اس سے زیادہ افسوسناک رویہ ان اسلام کا نام لینے والی جماعتوں اور پارٹیوں کا ہے جو اس قیامت کی گھڑی میں خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں۔ وہ زبانیں جو قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرتی رہتی ہیں۔ وہ جماعتیں جو نظام اسلامی اور نظام مصطفیٰؐ پر قائم کرنے کے لئے زبانی جہاد سے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر رہی ہیں۔ دین کے لئے محنت کرنے، خانقاہوں اور مسندوں پر بیٹھے الاھو کی صدائیں لگانے اور لمبی لمبی دعائیں کرنے والوں کے لئے کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں، بلکتی ماؤں، بہنوں، بھوک پیاس سے تڑپتے معصوم بچوں کے لئے اپنے حجروں، خانقاہوں، مرکزوں، دولت کدوں سے نکل کر آئیں اور ان کے لئے حکمراں طبقے اور طالبان کے درمیان سمجھوتے اور جنگ بندی کی کوشش کریں۔ حکمراں طبقے سے جو اپنے اقتدار میں مست اور اپنے بیرونی آقاؤں کے خوف سے لرزاں رہتا ہے کسی رحم کی امید تو کم ہے ہاں طالبان کے بارے میں یہ امید ضرور ہے کہ اگر ہمارے اسلام پسند علماء و دانشور متحد ومتفق ہوکر قرآن ہاتھ میں لے کر ان علاقوں میں جلسے وجلوس منعقد کریں، قرآن پاک کو اٹھا کر، قرآن پاک کا واسطہ دے کر ان سے اگر جنگ بندی کی اپیل کی جائے تو یقیناً کامیاب ثابت ہوگی، ان سے مذاکرات کرکے تعلیم گاہوں کو تباہ کرنے، لڑکیوں کی تعلیم پر پابندی، بے گناہوں کی گردن کاٹنے پر قرآن وحدیث اور سیرت پاک کی روشنی میں ان کو اس فعل وخونریزی سے باز رہنے کی اپیل کی جائے۔ آخر وہ بھی انسان ہیں کوئی وحشی درندے تو نہیں۔ ان سے ان کارروائیوں کے اسباب معلوم کئے جائیں اور ان کا تدارک کرنے کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالا جائے۔ ان کے علاقے سے فوج کا انخلاء اور ان کے قیدیوں کی رہائی سے مسئلے کے حل میں یقیناً مدد ملے گی۔ یہ کام صرف اور صرف دینی علماء و جماعت کے زعماء ہی کرسکتے ہیں کیونکہ طالبان اگر کسی کی بات مان سکتے ہیں تو صرف دین پسندوں کی۔ اگر اس وقت بھی علمائے اسلام دین پسند جماعتیں وافراد آگے نہیں آئے تو پھر اس آگ کو کوئی نہیں بجھا سکتا اور یہ آگ پاکستان کو جلا کر خاک کردے گی۔ اس سے اسلام ومسلمانوں کو جو نقصان پہنچے گا اور پہنچ رہا ہے دنیا وآخرت میں اس سے زیادہ ذلت کے عذاب سے ان کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔

ڈاکٹر عبدالجبار، ڈانگ، پیلی بھیت

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● نئی دہلی- مرکزی حکومت نے دہلی والوں کو سیلنگ سے بچانے کے لئے قومی خطہ راجدھانی آرڈیننس (خصوصی انتظام) بل ۲۰۰۹ء لوک سبھا میں پیش کر دیا جس سے ایک سال تک غیر قانونی تعمیرات کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

● ممبئی- ممبئی پولیس نے خود ساختہ انڈین مجاہدین سے تعلق بتا کر اور مختلف بم دھماکوں کا الزام عائد کر کے ۲۱ رلوگوں کے خلاف یہاں مکوکا عدالت میں فرد جرم عائد کی۔

● نئی دہلی- سماج وادی پارٹی کے جنرل سکریٹری امر سنگھ نے یہاں کہا کہ لوک سبھا الیکشن میں اتر پردیش سے کانگریس کو ۱۵ سے ایک سیٹ بھی زیادہ نہیں دی جائے گی۔

● نئی دہلی- بی جے پی کے لیڈر ایل کے آڈوانی نے لوک سبھا میں صدر کے خطبہ پر شکریہ کی تجویز پر بحث کے دوران کہا کہ مقامی مدد کے بغیر ممبئی حملہ ممکن نہیں تھا۔ انہوں نے پورے واقعہ کی عدالتی تفتیش کا مطالبہ کیا۔

● نئی دہلی- مرکزی وزیر داخلہ پی چدمبرم نے لوک سبھا میں کہا کہ ممبئی حملوں کی تفتیش ممبئی پولیس کر رہی ہے، اس کی تفتیش مکمل ہو چکی ہے اور جلد ہی فرد جرم داخل کر دی جائے گی۔ اس کی تفتیش قومی تفتیشی ایجنسی (این آئی اے) کو سونپنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

● نئی دہلی- فرانسیسی پروفیسر کرسٹوف جیفر یلوٹ نے یہاں جنوبی ایشیا میں دہشت گردی کے رجحان پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ۶۰ سال بعد ساورکرزم کی ایک شکل واپس لوٹ رہی ہے۔ یہ ہے ہندو دہشت گردی۔ انہوں نے کہا کہ ابھینو بھارت کو دوبارہ شروع کرنے میں سنگھ پریوار کا ہاتھ تھا۔

● نئی دہلی- سنٹرل اسٹیٹسٹک آرگنائزیشن کے اعداد وشمار کے مطابق اقتصادی کساد بازاری سے بچنے اور پبلک سیکٹر میں سرمایہ کاری بڑھانے کے لئے حکومت جس رفتار سے قرض لے رہی ہے مارچ ۲۰۱۰ء تک ملک کے ہر شہری پر قرض کا بوجھ ۳۰ ہزار روپے تک ہو جائے گا جب کہ فی شخص کی اوسط سالانہ آمدنی ۳۸ ہزار روپے ہے۔ اس طرح قرض ہی دس مہینے کی اوسط آمدنی کے برابر ہو جائے گا۔

● احمد آباد- سپریم کورٹ کی جانب سے تشکیل دی گئی اسپیشل انویسٹی گیشن ٹیم نے گجرات فسادات کے دوران ۲۸ رفروری کو ۱۴ مسلمانوں کو زندہ جلائے جانے کے معاملے میں ثبوتوں کو مٹانے کے جرم میں ایک معطل پولیس انسپکٹر این کے پاٹل کو گرفتار کیا ہے۔ یہ دوسرا پولیس افسر ہے جسے ایس آئی ٹی نے گرفتار کیا ہے۔

● لکھنؤ- اتر پردیش کانگریس کے ترجمان اکھلیش پرتاپ سنگھ نے کہا ہے کہ آئندہ لوک سبھا انتخابات میں بی جے پی اور بہوجن سماج پارٹی میں خفیہ معاہدہ ہوا ہے۔

● جونپور- بہوجن سماج پارٹی کے جنرل سکریٹری اور اتر پردیش کے وزیر نسیم الدین صدیقی نے کہا کہ کانگریس، بی جے پی اور سماج وادی پارٹی نے اقلیتوں کو صرف ووٹ کے لئے ہی استعمال کیا۔ اجودھیا میں متنازعہ احاطہ میں تالہ لگوانے اور پھر اسے کھلوانے کے لئے جہاں کانگریس ذمہ دار ہے وہیں بابری مسجد کے انہدام کے لئے بی جے پی اور سماج وادی پارٹی برابر کے قصوروار ہیں۔

● نئی دہلی- عالمی بازار میں سونے کا دام گزشتہ سات ماہ میں ریکارڈ سطح پر پہنچ گئے۔ دہلی صرافہ بازار میں ۱۷ رفروری کو سونا، ۱۵۴۲۰ روپے فی دس گرام کی ریکارڈ سطح پر پہنچ گیا جب کہ چاندی ۸۰۰ روپے فی کلو بڑھ کر ۲۱۹۲۰ روپے کلو ہوگی۔

● باڑمیر- ہندوستان اور پاکستان کے درمیان چلنے والی تھارا ایکسپریس کے مسافروں کی تعداد ممبئی حملوں کے بعد کافی کم ہو گئی ہے۔ پہلے اس ٹرین سے ۵۵۰ سے ۶۰۰ مسافر سفر کرتے تھے جو اب ۲۵۰ ہو گئے ہیں۔

● احمد آباد- گجرات فساد میں مرنے والوں کی تعداد سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ۹۵۲ سے بڑھ کر ۱۱۸۰ ہو گئی کیوں کہ حکومت نے ۲۱۳ میں سے بقیہ ۲۲۸ لاپتہ افراد کو مرا ہوا تسلیم کر لیا۔

● اگرتلہ- نیشنل لبریشن فرنٹ آف تریپورہ اور بروک نیشنل کونسل آف تریپورہ کے ۱۱۸ انتہا پسندوں نے بی ایس ایف اور سی آر پی ایف کے سامنے خود سپردگی کر دی۔ یہ جانکاری ریاستی پولیس نے دی۔

بین الاقوامی

● تل ابیب- ایک برطانوی اخبار کے مطابق امریکی انٹلی جنس کے ذرائع نے انکشاف کیا ہے کہ اسرائیل نے ایران کے جوہری پروگرام کو نقصان پہنچانے کے لئے پیشہ ور قاتلوں، ڈبل ایجنٹوں اور فرضی کمپنیوں کے ذریعہ پوشیدہ جنگ شروع کر دی ہے تاکہ ایران کو پتہ نہ چل سکے کہ کیا ہو رہا ہے۔

● دوحہ- عراق کے وزیر تیل حسین ال شہرستانی نے یہاں نامہ نگاروں سے کہا کہ اگر تیل بازار متوازن نہیں ہوتا ہے تو تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم (اوپیک) کو پیداوار میں مزید تخفیف کرنی چاہئے۔ واضح رہے کہ دنیا کی کل تیل ضرورت کا ایک تہائی حصہ اوپیک سے آتا ہے۔ عالمی اقتصادی کساد بازاری کے سبب گرتی قیمتوں کو روکنے کے لئے اوپیک دسمبر سے تیل کی پیداوار میں ۴۲ لاکھ بیرل یومیہ کی تخفیف کر چکا ہے۔

● جنیوا- جنیوا میں سابق آئرش وزیر اعظم میری رانس کی سربراہی میں ۸ رکنی قانونی ماہرین کے پینل نے کہا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جاری نام نہاد جنگ میں بڑے پیمانے پر بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کی جا رہی ہے۔

● واشنگٹن- امریکی صدر بننے کے بعد بارک اوبامہ نے ترکی کے صدر عبداللہ گل اور وزیر اعظم طیب اردگان کے ساتھ پہلی بات چیت میں افغانستان اور پاکستان سمیت کئی موضوعات پر تبادلہ خیال کیا۔

● ٹوکیو- امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن اور ان کے جاپانی ہم منصب نے فوجی معاہدے پر دستخط کئے۔

● نیویارک- بین الاقوامی انسانی حقوق واچ ڈاگ نے کہا ہے کہ اس نے کانگو میں قتل عام ختم کرنے کی اپیل کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے ڈیموکریٹک ریپبلک آف کانگو کے شمالی حصہ میں اضافی امن فوج فوراً بھیجنے کو کہا ہے۔

● کابل- اقوام متحدہ نے اپنی ایک تازہ رپورٹ میں کہا ہے کہ مسلح لڑائی میں مارے جانے والے افغان شہریوں کی تعداد گزشتہ سال ۴۰ فیصد بڑھ کر ۲۱۱۸ کی ریکارڈ سطح پر پہنچ گئی۔

● دوحہ- سوڈانی سرکار اور دارفور میں سرگرم باغی تنظیم جسٹس اینڈ ایکویلٹی موومنٹ کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا ہے۔ اس میں قطر کے وزیر اعظم شیخ حماد بن جیسم نے ثالثی کی تھی۔ اس سے قبل دونوں قیدیوں کے تبادلہ پر متفق ہو گئے تھے۔

● بیجنگ- پاکستانی صدر آصف علی زرداری کے دورہ چین سے قبل وہاں کی وزارت خارجہ کی ترجمان جیانگ یو نے کہا کہ پاکستان کے عوام اور اقتصادی نظام کی ترقی کے لئے ہم اپنی صلاحیت کے مطابق ہر ممکن امداد دیں گے۔

● اسلام آباد- پاکستان کے سابق صدر پرویز مشرف نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ جب وہ برسراقتدار تھے تو انہوں نے دوہرا پیمانہ اختیار کرتے ہوئے ایک طرف تو امریکہ سے مدد لی اور دوسری طرف طالبان کی حمایت کی۔

● واشنگٹن- امریکی کانگریس کی ریسرچ برانچ کے ذریعہ تیار کردہ ''ایران، امریکہ کی تشویش اور پالیسی جاتی رد عمل'' کے زیر عنوان رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ایران کو راست بات چیت کے عمل میں شامل کرنے کی اوبامہ انتظامیہ کی منشا کے باوجود امریکہ کے ساتھ اس کے رشتے جلد بہتر ہونے کے آثار کم ہیں۔

● بیروت- حزب اللہ کے سربراہ سید حسن نصر اللہ نے کہا ہے کہ ان کی تنظیم کو فضائی دفاع کے ہتھیار حاصل کرنے اور انہیں ان اسرائیلی جنگی جہازوں کے خلاف استعمال کرنے کا حق ہے جو روزانہ لبنانی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

● اسلام آباد- پاکستان کے صدر آصف علی زرداری نے صوبہ سرحد کی حکومت کو مالاکنڈ خطے میں شرعی قوانین نافذ کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ سوات بھی اس خطے میں شامل ہے۔

● ڈھاکہ- بنگلہ دیش میں چین کے سفیر زونگ کنگد یانگ نے یہاں بتایا کہ بنگلہ دیش اور چین کے درمیان ۲۰۰۵ء میں پرامن مقاصد کے لئے جوہری توانائی کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس لئے چین نے بنگلہ دیش کو اس کی توانائی ضروریات کے پیش نظر جوہری بجلی پلانٹ لگانے میں مدد کی پیش کش کی ہے۔

لندن کا اسلامک بینکنگ نظام مغرب کیلئے نئی مثال

لندن- اسلامک فائنانشیل سروسیز کے لئے برطانوی دارالحکومت مغرب میں ایک کلیدی مرکز میں تبدیل ہو گیا ہے۔ جہاں اسلامی بنکوں کی تعداد بڑھ کر ۵ ہو گئی ہے۔ اور حالیہ مالیاتی بحران سے اسلامک فائنانشیل سیکٹر اتنا متاثر نہیں ہوا جتنا اثر دوسرے مالیاتی شعبوں پر پڑا ہے۔ یہ اطلاع بین الاقوامی مالیاتی خدمات کی ایک رپورٹ میں دی گئی ہے۔ لندن کے میئر نے اپنے ایک بیان میں اس رپورٹ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ ادھر کچھ برسوں سے لندن اسلامی مالیات کا عالمی مرکز بن گیا ہے جسے ٹیلس اور ریگولیٹری کے ایک موافق نظام کے تحت داخلی منڈی میں فروغ دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ لندن اور مسلم ملکوں کے مالیاتی مراکز کے درمیان بڑھتی ہوئی ساجھیداری دنیا کے دو ارب مسلمانوں کو ان کے عقیدے کے مطابق عالمی مالیاتی نظام کا حصہ بنانے کی کوشش کا مظہر ہے۔ حالیہ مالیاتی بحران کے باوجود لندن کا اسلامی مالیات کا عالمی مرکز بن کر ابھرنا اس بات کی مثال ہے کہ اسلامی بینکاری کس طرح روایتی مالیاتی نظام کا محفوظ متبادل فراہم کرتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۷ء کے اختتام تک اسلامی مالیاتی خدمات کا دائرہ عالمی منڈی میں ۳۷ فیصد وسیع ہوا ہے یعنی ۷۲۹ ارب ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔ عالمی اقتصادی بحران اور بینکوں کے لین دین پر اثر پڑنے اور حصص بازار میں مندی کے باوجود روایتی بینکوں کے برعکس اسلامک بینک کم متاثر ہوئے کیونکہ ان کے یہاں ہول سیل فنڈ پر انحصار اور toxic assests میں سرمایہ کاری جیسی سرگرمیاں ممنوع ہیں۔

برطانیہ میں مزید دو اسلامی بینکوں گیٹ ہاؤس بینک اور یوروپین فائنانس ہاؤس کو لائسنس مل جانے سے مکمل طور پر شرعی اعتبار سے کام کرنے والے بینکوں کی تعداد بڑھ کر ۵ ہو گئی ہے۔ سرمایہ منڈی میں چار نئے ایکسچینج ٹریڈ فنڈ اور دو نئے ایکویٹی فنڈ شروع کئے گئے ہیں۔ شرعی مشاورت کی سہولت فراہم کرنے والے لندن کے ایک ادارے Innovalue Consult میں مینجنگ پارٹنر آفتاب صدیق کا کہنا ہے کہ برطانیہ اور مشرق وسطی اور بعض دوسرے مسلم ملکوں کے مابین تاریخی ربط اس ملک میں اسلامک فائنانشیل سروس کے سامنے آنے کا ایک بڑا سبب ہے۔ مغرب میں لندن کے اسلامی مالیاتی خدمات کا ایک بڑا مرکز بن جانے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ گزشتہ دو برسوں کے دوران حکومت برطانیہ نے اس میں دلچسپی لے کر بعض خصوصی معاونت رخی اقدامات کئے ہیں۔ برطانوی ٹیلس اور اسلامی مالیات کے ماہر خالد محمود کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم گورڈن براؤن نے برطانیہ میں اسلامی بینک کاری اور فائنانشیل سرویسز کے حق میں ٹیلس قوانین میں تبدیلی لانے تک اقدامات کر ڈالے۔ حالیہ مالیاتی بحران کو ٹالنے میں اسلامی بینکوں اور فائنانشیل اداروں کو جس سبب سے بھرپور مدد ملی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ادارے مصنوعات یا مالیات کی سطح پر سٹے بازی کی اجازت نہیں دیتے۔ رپورٹ میں اس طرح واضح اشارہ کیا گیا ہے۔ لندن انٹرنیشنل فائنانشیل سروسز کے اکنامکس کے ڈائریکٹر ڈنکن میکینزی کا کہنا ہے کہ اسلامی مالیاتی خدمات کو دیگر روایتی مالیاتی اداروں کے مساوی بڑھاوا دینے کی پالیسی اختیار کر کے برطانیہ نے مالی محاذ پر قابل لحاظ فائدہ اٹھایا ہے۔ اور آج برطانیہ میں عالمی درجے کا شرعی اثاثہ ۱۸ ارب ڈالر کا ہے۔ لندن اسٹاک ایکسچینج میں بھی اس کی حصہ داری ۱۰ ارب ڈالر تک پہنچ گئی ہے جو دوبئی کے بعد دوسرا مقام ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ اسلامی مالیاتی خدمات کی بنیاد برطانیہ سے باہر رکھی گئی تھی۔ آج برطانیہ سے یہ خدمات فطری طور پر وابستہ ہیں۔ عالمی اقتصادی بحران سے کوئی نہیں بچا پھر بھی اسلامک فائنانس نے زبردست لچک دکھائی ہے۔ رپورٹ کے مطابق مجموعی طور پر ۲۲ برطانوی بینک شریعت کے مطابق خدمات فراہم کر رہے ہیں۔ کسی مغربی ملک میں اس کی نظیر نہیں۔ ۱۸ قانونی ادارے پیشہ وارانہ خدمات مہیا کر رہے ہیں جب کہ ۵۵ ادارے اسلامی مالیات کی تعلیم وتربیت فراہم کرتے ہیں۔

بنام جملہ ارکان جماعت

اختتام مارچ ۲۰۰۹ء کے ساتھ رواں میقات کے دو سال پورے ہو رہے ہیں۔ اب وسط میقات میں امرائے مقامی کے تقررات کئے جانے ہیں براہ کرم آپ دستور جماعت کی دفعہ (۵۵) کو ملحوظ رکھ کر اپنے امیر حلقہ کو جلد از جلد مطلع فرمائیں کہ آپ کی دانست میں امیر مقامی کے لئے آپ کی مقامی جماعت میں کون رکن جماعت دستور کی دفعہ (۵۵) کے پیش نظر سب سے زیادہ موزوں ہے۔

آپ کا تحریری مشورہ زیادہ سے زیادہ ۱۵ رمارچ ۲۰۰۹ء تک آپ کے دفتر حلقہ کو لازماً موصول ہو جائے۔

نوٹ: (۱) تمام مقامی جماعتوں کو یہ سرکلر بذریعہ ڈاک ارسال کر دیا گیا ہے۔ اگر موصول ہونے میں کسی وجہ سے تاخیر ہو تو اس اعلان کو کافی سمجھا جائے۔

(۲) سرکلر ملتے ہی اپنی رائے جلد از جلد اپنے امیر حلقہ کو ارسال فرمادیں۔ آخری تاریخ کا انتظار نہ کیا جائے۔

نصرت علی (قیم جماعت)
مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی
۱۵ رفروری ۲۰۰۹ء

دعائے مغفرت

● نئی دہلی: اعجاز صاحب سکریٹری مسجد لبابین، شواجی نگر بنگلور کی والدہ، محمد عالم صاحب سابق ناظم حلقہ کارکنان جماعت کے جواں سال صاحبزادے عبدالعلیم اور محمد مظہر رکن جماعت ہاسن (کرناٹک) کا گزشتہ دنوں انتقال ہو گیا۔ رفیق احمد، سکریٹری دعوت ٹرسٹ

● جونپور- محمد عثمان صاحب سابق مقامی امیر جماعت اسلامی ہند جونپور کا ۸۰ سال کی عمر میں ۴ رفروری کو انتقال ہو گیا۔
حفیظ احمد نعمانی، مقامی امیر جماعت، جونپور

● بھدوہی - امیر مقامی ڈاکٹر قمر الدین صاحب کے بڑے بھائی ڈاکٹر انوار احمد کا مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔
انور رشید، بھدوہی

مرحومین کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

مائیکرو فائننسنگ کا تصور پیغام اسلام کا عطا کردہ ہے

مائیکرو فائننسنگ کا تصور دنیا میں بہت مقبول ہو رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے چھوٹے پیمانے پر کاروبار کرنے والوں کے لئے قرض فراہم کرنا۔ ہندوستان میں بہت سے غیر سرکاری ادارے یہ کام انجام دے رہے ہیں اور ان سے غریبوں کی بہت بڑی تعداد فائدہ اٹھا رہی ہے، لیکن یہ ادارے بھی سود لیتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اسلامی شریعت کے مطابق یہ کام غیر سودی طریقے سے انجام دیا جائے۔ ان خیالات کا اظہار ایچ عبدالرقیب جنرل سکریٹری انڈین سینٹر فار اسلامک فائننس نئی دہلی نے ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی میں ''مائیکرو فائننسنگ نظریہ اور تطبیق'' کے موضوع پر توسیعی خطبہ دیتے ہوئے کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس کام کی انجام دہی پر بنگلہ دیش کے ڈاکٹر محمد یونس کو چند سال قبل نوبل انعام دیا گیا ہے۔ اس کے بعد عالمی سطح پر لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی ہے۔ چنانچہ ۲۰۰۵ء کو مائکرو فائننسنگ کے سال کے طور پر منایا گیا۔ جناب عبدالرقیب نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ مائیکرو فائننسنگ کا تصور پیغام اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ ہے۔ دلیل کے طور پر انہوں نے عہد نبوی کا یہ مشہور واقعہ سنایا کہ ایک شخص بھیک مانگنے کے لئے رسول اللہ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا ''تمہارے پاس کچھ ہے؟'' اس نے جواب دیا: ایک چادر اور ایک پیالہ۔ آپ نے دونوں سامان فروخت کر کے اس کے گھر کے لئے کچھ غلہ اور ایک کلہاڑی خریدوائی، کلہاڑی میں اپنے دست مبارک سے دستہ لگایا اور فرمایا کہ جاؤ جنگل میں لکڑیاں کاٹو اور انہیں بازار میں لاکر بیچو۔

اس ترکیب سے دس دنوں کے اندر اس شخص نے خاصا کما لیا۔ موصوف نے کہا کہ ہمارے درمیان اسلامی عبادات میں سے نماز، روزہ اور حج کا تو اجتماعی تصور پایا جاتا ہے، لیکن افسوس کہ زکوۃ کے اجتماعی نظام کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی ہند اسلامی بینکنگ کے میدان میں بھی قابل قدر خدمات انجام دے رہی ہے اس مقصد کے تحت انڈین سینٹر فار اسلامک فائننس قائم کیا گیا ہے جو غور کر رہا ہے کہ غیر سودی طریقے پر مائیکرو فائننسنگ کا کام کیسے انجام دیا جائے۔

ہری مسجد فائرنگ معاملہ میں ۱۶ برسوں بعد انصاف

ممبئی فسادات کے ۱۶ برسوں بعد ہری مسجد اسکینڈل کے ملزم فاروق ماپکر کو ایک عدالت نے فساد کے الزام سے بری کر دیا۔ استغاثہ فاروق کے خلاف الزام ثابت کرنے میں ناکام رہا۔ اس معاملہ میں ۵۰ لوگوں پر فساد میں ملوث ہونے کا الزام تھا۔ دیگر پہلے ہی بری کر دیئے گئے تھے جب کہ فاروق کا معاملہ زیر سماعت تھا۔ ۱۰ جنوری ۱۹۹۳ء کو ممبئی فسادات کے دوران ہری مسجد کے قریب پولیس فائرنگ میں چھ لوگ مارے گئے تھے۔ فاروق کے پیٹ میں بھی گولی لگی تھی۔

تفصیلات کے مطابق پولیس فائرنگ میں زخمی ہونے والے ماپکر نے ممبئی فساد کی تحقیقات کرنے والے جسٹس سری کرشنا کمیشن کو بتایا کہ نکھل کاپسے نے بغیر کسی وجہ سے نمازیوں پر فائرنگ کی۔ کمیشن نے اسے بلا اشتعال فائرنگ، اور غیر انسانی اور بے رحمانہ رویے کا قصوروار ٹھہرایا تھا۔ لیکن حکومت نے کمیشن کی تحقیقاتی رپورٹ کو تسلیم نہیں کیا اور معاملے کی مکمل چھان بین کے لئے ایک اسپیشل ٹاسک فورس تشکیل دی جس نے بعد میں اپنی رپورٹ میں پولیس کو الزامات سے بری کر دیا۔ ماپکر نے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے میں ناکامی کے بعد بامبے ہائی کورٹ میں ایک عذرداری داخل کی تھی۔

ہائی کورٹ نے ۱۵ ردسمبر ۲۰۰۸ء کو اس معاملے میں ریاستی حکومت اور سی بی آئی کی سرزنش کی اور دریافت کیا کہ مرکزی تفتیشی ایجنسی کو اس معاملے کی تحقیقات میں کیا قباحت ہے۔ سی بی آئی نے شروع میں جھجک دکھائی لیکن بعد میں پولیس فائرنگ کی تحقیقات پر رضا مند ہو گئی تھی۔

بقیہ: گجرات میں خوشحالی یہ ہے تو بدحالی کیا ہوگی؟

انڈسٹری نے سوراشٹر کی حالت بدل کر رکھ دی تھی اس انڈسٹری سے یہاں اس قدر دولت آتی تھی کہ فارمنگ بھی اس سے پیچھے تھی۔ گجرات کے ۸۵ فیصد سے زیادہ ڈائمنڈ ورکر سوراشٹر بیلٹ سے تعلق رکھتے ہیں اور اکیلے امریلی میں ڈھائی لاکھ ورکر تھے۔ ڈائمنڈ کی وجہ سے علاقے میں دولت کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ امریلی جیسے چھوٹے مقامات اور دیہی علاقے بھی اس سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا غیر منظم سیکٹر ہے جہاں انکم ٹیکس رٹرن زیادہ جمع نہیں کئے جاتے آڈٹ بھی کم ہی ہوتے ہیں لیکن ٹرن اوور بہت زبردست ہے جس سے دیہی علاقوں کی حالت بھی بدل گئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے مٹی کے کچے مکانوں کی جگہ پکے مکانوں نے لے لی تھی۔ دھواں دینے والے چراغوں کی جگہ بجلی کے بلب روشن ہو گئے۔ دولت کی آمد کے ہر میدان اور شعبہ زندگی پر اثرات پڑے تھے جہاں کھیتوں میں کچھ پیداوار نہیں ہوتی تھی اب مشینوں ٹیوب ویلوں، ٹریکٹروں اور کھاد بیج کے سہارے ہر طرف ہریالی اور لہلہاتی کھیتیاں ہو رہی ہیں لیکن دولت کی آمد کے راستے مسدود ہونے سے ایک بار پھر ہر شعبہ زندگی پر برے اثرات پڑ رہے ہیں۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ہونے والی خشک سالی نے لوگوں کو کھیتوں سے مایوس کر دیا تھا، کسان بھی اس کاروبار میں لگ گئے تھے اور پالش کرتے کرتے بڑی بڑی اکائیوں کے مینیجر تک بن بیٹھے تھے۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ گجرات میں غیر منظم سیکٹر والوں کا کوئی مستقبل نہیں رہا ہے سب کچھ چھوڑ کر لوگ پھل اور سبزیاں ٹھیلیوں پر بیچنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ایرکنڈیشن آفسوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے محنت ومشقت کے کام تلاش کر رہے ہیں یہاں کوئی لیبر قانون لاگو نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ زندگی بھر غیر مستقل ملازم ہی رہتے ہیں اور اب یہ روزگار بھی نہ رہنے اور فنڈ وغیرہ کی کوئی سہولت نہ ملنے کی وجہ سے پریشانی میں بہت سے لوگ جرائم کی دنیا بھی اختیار کر رہے ہیں۔ (ع ق)

انتخابات کو سامنے رکھ کر عبوری بجٹ پیش کیا گیا

نئی دہلی- مرکزی وزیر خارجہ اور کارگزار وزیر مالیات پرنب مکھرجی نے مرکز کی یوپی اے سرکار کا آخری اور عبوری بجٹ پیش کیا، جس میں ممبئی حملوں کے بہانے جہاں دفاعی بجٹ میں غیر معمولی اضافہ کیا گیا وہیں عام انتخابات کے پیش نظر گاؤں، پنچایتوں اور کسانوں پر خصوصی توجہ دی گئی اور حکومت نے اپنی ''اپلبدھیوں'' کو گناتے ہوئے خود اپنی پیٹھ تھپتھپائی۔ ووٹ آن اکاؤنٹ کے نام سے پیش اس منی بجٹ کو پورے طور پر آئندہ ہونے والے عام انتخابات کو پیش نظر رکھ کر تیار کیا گیا تھا اور پیش بھی کیا گیا۔ دراصل اس طرح کا بجٹ انتخابی سال میں نئی سرکار کی تشکیل تک تین چار ماہ کے لئے ضروری اخراجات کا اندازہ لگا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے پارلیمنٹ کی منظوری لی جاتی ہے۔ موجودہ سرکار نے بھی وہی کیا۔ عبوری بجٹ کو جہاں حکمراں طبقہ نے سراہا، اپوزیشن نے اسے انتخابی قرار دے کر اس پر سخت تنقید کی، صنعتی دنیا اور اقلیتوں نے مایوسی کا اظہار کیا۔

دارالعلوم دیوبند کا بجٹ منظور

سہارنپور- دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے اپنے دو روزہ اجلاس کے آخری دن سال ۱۴۳۰ھ کے لئے ۱۲ کروڑ ۹۶ لاکھ ۷۷ ہزار روپے کے بجٹ اور ۱۵ رکنی مجلس شوریٰ کو منظوری دی۔

ملک کی آمدنی کا تیرہ فیصد خرچ دفاع پر ہوگا

نئی دہلی- اس بار کے عبوری بجٹ میں سرکار کے پاس آنے والے ہر ایک روپے میں ۲۹ پیسے قرض سے آئیں گے اور ۷۱ پیسے کمائی کے اور خرچ میں ہر ایک روپے میں سے ۱۳ پیسے دفاع پر خرچ کئے جائیں گے جب کہ ۲۰ پیسے سود کی ادائیگی میں چلے جائیں گے دیگر اخراجات میں ۱۸ پیسے مرکزی منصوبوں کے لئے، غیر منصوبہ جاتی اخراجات کے لئے ۱۴ پیسے، ریاستوں کی مدد کے لئے سات پیسے، ٹیکسوں میں ریاستوں کی حصہ داری کے لئے ۱۵ پیسے، ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے غیر منصوبہ جاتی اخراجات کے لئے چار پیسے جب کہ سبسڈی پر ۹ پیسے خرچ کئے جائیں گے۔ جہاں تک آمدنی کا تعلق ہے تو ایک روپے میں ۲۹ ر پیسے قرض سے، ۲۲ پیسے کارپوریٹ ٹیکس سے، ۱۲ پیسے انکم ٹیکس سے، کسٹم ڈیوٹی سے دس پیسے، پیداوار ٹیکس سے دس پیسے، سروس ٹیکس سے ۶ پیسے، ٹیکس کے علاوہ ریونیو سے دس پیسے اور ایک پیسے کی آمدنی غیر قرضہ جاتی محصولات سے ہوگی۔

سوات معاہدہ یوٹرن نہیں، عسکریت پسندی کیخلاف جنگ جاری

اسلام آباد- صدر آصف علی زرداری نے واضح کیا ہے کہ سوات معاہدہ حکومتی پالیسی میں یوٹرن ہرگز نہیں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں حکومتی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ پاکستان دہشت گردی کے خاتمے کے لئے بین الاقوامی برادری سے تعاون جاری رکھے گا۔ منگل کو پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے آسٹریلوی وزیر خارجہ اسٹیفن اسمتھ سے ملاقات میں صدر زرداری نے کہا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کامیابی کے لئے اتحادیوں کو ایک دوسرے پر اعتماد ظاہر کرنا ہوگا کیونکہ اس کے بغیر اہداف حاصل کرنا مشکل ہوگا۔ آسٹریلوی وزیر خارجہ نے اپنے دورے کے دوسرے روز صدر آصف علی زرداری سمیت وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی اور آرمی چیف جنرل اشفاق کیانی سمیت دیگر اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں جس میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں تعاون دوطرفہ تعلقات کے فروغ، سیکورٹی فورسز کو تربیت دینے، تجارتی واقتصادی شعبوں میں سرمایہ کاری کرنے سمیت دفاعی شعبوں میں تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا گیا۔ ذرائع کے مطابق آسٹریلوی وزیر خارجہ اسٹیفن اسمتھ سے ملاقات میں صدر آصف زرداری نے کہا کہ سوات میں امن قائم کرنے اور شدت پسندوں کا قلع قمع کرنے کے لئے حکومت نے مقامی طالبان کے ساتھ معاہدہ کیا ہے جو حکومت کی کثیر الجہتی حکمت عملی کا حصہ ہے۔ سوات معاہدے کے باوجود دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ میں حکومتی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گردی کے خاتمے کے لئے پاکستان عالمی برادری کے ساتھ اپنا تعاون جاری رکھے گا۔ آصف زرداری نے کہا کہ پاکستان آسٹریلیا کے ساتھ انسداد دہشت گردی سمیت تمام شعبوں میں تعاون بڑھائے گا۔ صدر نے مزید کہا کہ سرحدی حدود کی خلاف ورزی اور ڈرون حملوں سے پاکستانی عوام میں سخت بے چینی اور تشویش پائی جا رہی ہے، جاسوس طیاروں کے حملوں سے زیادہ تر بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں۔

عبوری بجٹ کے اہم نکات

★ ٹیکس میں کوئی چھوٹ نہیں ★ بہار سمیت کئی ریاستوں میں دو آئی آئی ٹی اور چار آئی آئی ایم شروع ★ کسانوں کا ۶۵۳۰۰ کروڑ کا قرض معاف ★ قومی صفائی کرمچاری فائنانس اینڈ ڈیولپمنٹ کارپوریشن کا سرمایہ ۳۰۰ کروڑ روپے ★ دفاعی بجٹ میں ۳۶ ہزار کروڑ روپے کا اضافہ ★ ایٹمی توانائی کے لئے ۳۳ کروڑ روپے کی تجویز ★ پنچایت کو بااختیار اور جوابدہ بنانے کی اسکیم میں مناسب توسیع کا ارادہ ★ کمزور اور پسماندہ لوگوں کی امداد کے لئے متعدد نئی اسکیمیں ★ عبوری بجٹ میں کل اخراجات ۹۵۳۲۳۱ کروڑ روپے ★ دیہی خواتین روزگار کے لئے پریہ درشنی اسکیم ★ سبسڈی کے طور پر ۹۵۵۷۸.۹۷ کی سبسڈی ★ ہائر سکنڈری اور خواندگی سیکٹر کے لئے ۲۶۸۰۰ کروڑ روپے ★ اعلیٰ تعلیم کے لئے ۷۶۰۰ کروڑ روپے ★ سب کو تعلیم مہم کے لئے ۱۳۱۰۰ کروڑ روپے۔

بقیہ: اور اب ایک 'مشترکہ دشمن' کے استیصال کی منصوبہ بندی

ایک ملک بن چکا ہے اور پوری دنیا نے طالبان کو امن عالم کے لئے ایک زبردست خطرہ قرار دے رکھا ہے۔ اگر وہ پاکستان پر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں تو طالبان ایک زبردست طاقت وقوت کے مالک بن جائیں گے اور پھر ان کا مقابلہ آسان نہیں رہ جائے گا۔ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک اس کا اندیشہ بھی بہت پہلے سے ظاہر کرتے رہے ہیں کہ جوہری اسلحہ اور اس کی کنجی اگر طالبان اور دوسرے لفظوں میں القاعدہ کے ہاتھ میں پہنچ گئی تو پھر عالم انسانیت کی خیر نہیں ہے، اسی تناظر میں پاکستان کے سابق صدر پرویز مشرف کے اس بیان کو بھی دیکھا جانا چاہئے جس میں انہوں نے حکومت پاکستان کو بالخصوص اور عالم انسانیت کو بالعموم اس خطرے سے خبردار کیا ہے جو ان کو نظر میں طالبان اور القاعدہ کی صورت میں ایک بار پھر ابھر رہا ہے۔ انہوں نے حکومت پاکستان کو خبردار کیا ہے کہ اگر اس نے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے بروقت کارروائی نہیں کی تو ایک زبردست بحرانی حالت پیدا ہو جائے گی۔ یہ بات انہوں نے صدر پاکستان زرداری کے ٹی وی انٹرویو پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہی ہے۔ انہوں نے اسلام آباد میں اخبار نویسوں سے بات چیت کے دوران کہا کہ حکومت پاکستان کو انتہا پسندی اور دہشتگردی کا سختی سے مقابلہ کرنا چاہئے اور اس معاملہ میں بالکل رو رعایت نہیں کرنی چاہئے ورنہ پاکستان ایک زبردست بحران کا شکار ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ یہ جنرل پرویز مشرف ہی تھے جن کے دور حکومت میں پاکستان، امریکہ کی دہشت گردی مخالف عالمی مہم کا اتحادی بنا تھا اور افغانستان کے خلاف فوجی کارروائی میں امریکہ کا کھل کر ساتھ دیا تھا۔

انہوں نے بھی صدر زرداری کے اس دعوے کی تائید کی کہ پاکستان میں طالبان اور القاعدہ کی حمایت میں اضافہ ہو رہا ہے جو پاکستان کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کو دہشت گردی کے مار جھیلنی پڑ رہی ہے وہ اس کا شکار ہے۔ اس تناظر میں امریکہ کے خصوصی ایلچی رچرڈ ہال بروک کے مشن کے مقاصد کو سمجھا جا سکتا ہے، اور ان کی اس بات کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امریکہ، ہندوستان اور پاکستان کو ایک ہی مشترکہ دشمن سے مقابلہ ہے۔ (ش ر)

امریکہ اور یورپ دوسروں کو برداشت کرنا سیکھیں

ایم ابراہیم خان

مغرب نے تین صدیوں کے دوران مختلف شعبوں میں پیش رفت کی منفرد مثالیں قائم کی ہیں۔ فطری علوم اور ان سے متعلق فنون میں مغرب کی بھرپور پیش رفت نے روئے زمین پر زندگی کو نئی شکل دی ہے۔ کل تک جو کام سو افراد مل کر ایک ماہ میں بھی نہیں کرپاتے تھے وہ اب چند افراد مشینوں کی مدد سے چند گھنٹوں میں کرلیتے ہیں۔ مگر معاملہ مادی ترقی تک محدود رہا ہے۔ نظریاتی اور روحانی آسودگی عام کرنے کے معاملے میں مغرب خاصا پس ماندہ ثابت ہوا ہے۔ دنیا بھر کی آسائشوں کا حامل مغربی معاشرہ نفسیاتی اور روحانی طور پر آج بھی خاصا کمزور ہے۔ مغرب نے یہ سمجھ لیا تھا کہ فطری علوم اور فنون میں اس کی پیش رفت سے متاثر ہوکر دنیا اس کی ہر سوغات کو اپنالے گی مگر ایسا نہ ہوسکا۔ کسی بھی قوم کی اقدار اسی وقت اپنائی جاسکتی ہیں جب ان اقدار میں دم خم ہو۔

کسی قوم کی عسکری فتوحات سے متاثر ہوکر کوئی بھی اس قوم کا مذہب اور تہذیب قبول نہیں کرتا۔ سیاسی آئیڈیلزم ہی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ مغرب نے لبرل ڈیموکریسی کو دنیا بھر میں مقبولیت سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس کوشش میں وہ مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوسکا۔ ہر نظریہ تمام معاشروں پر انطباق پذیر نہیں ہوسکتا۔ مغرب کے دانشور بھی اب اس امر کا اعتراف کر رہے ہیں کہ لبرل ڈیموکریسی نافذ نہیں کی جاسکتی۔ ہر معاشرے کی اپنی ثقافتی اور مذہبی روایات ہوتی ہیں جنہیں ذہنوں سے کھرچنا آسان نہیں ہوتا۔ کسی بھی سیاسی نظریے کو متعلقہ معاشرے کی ضروریات کے مطابق ہی اپنایا جاسکتا ہے۔ بعض معاشرے جمہوریت کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ ان کی صدیوں پرانی اقدار کا ڈھانچہ اس قدر مستحکم ہے کہ لاکھ کوشش کرنے پر لوگوں کے ذہنوں سے کھرچ کر پھینکا نہیں جاسکتا۔

فرانس کے سابق وزیر خارجہ ہیوبرٹ ویدرین کا تجزیہ یہ ہے کہ یورپ کو بین الاقوامی سیاست میں موثر طور پر واپس آنے کے لئے نئی بصیرت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنانے کا کلچر بھی پیدا کرنا ہوگا۔ امریکہ اور یورپ کو مغرب کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے اور ان دونوں نے عالمی سیاست اور معیشت پر جو دور رس اثرات مرتب کئے ہیں انہیں نظرانداز کرکے کسی نئی دنیا کا خواب شرمندہ تعبیر کرنا تو بہت دور کا معاملہ ہے۔ ایسا خواب دیکھا بھی نہیں جاسکتا۔

ہیوبرٹ ویدرین کی کتاب History Strikes back میں امریکہ اور یورپ کے درمیان دوستی اور مفاہمت کا نیا دور شروع کرنے پر زور دیا گیا ہے تاہم انہیں ساتھ ہی ساتھ دوسروں کو قبول کرنے کا عندیہ بھی دینا ہوگا۔ اُبھرتی ہوئی قوتوں کو قبول کئے بغیر کوئی بھی مثبت تبدیلی رونما نہیں ہوگی۔ کسی بھی نوع کی شراکت میں اس قدر لچک کا ہونا لازم ہے کہ دوسروں کی بھی خندہ پیشانی سے قبل کرنا ممکن ہو۔ اس کتاب کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

امریکی بالادستی کا دور لد گیا۔ مغرب نے جو چاہا تھا، پالیا۔ مگر اب دوسرے خطوں کو بھی بہت کچھ ملنے والا ہے۔ طاقت کے مراکز تیزی سے تبدیل ہورہے ہیں۔ ایسے میں امریکہ اور یورپ کو مل کر فیصلہ کرنا ہوگا کہ دیگر خطوں کو سیاست اور معاشی قوت کے نیٹ ورک میں کس طور شریک کیا جائے۔ اس فیصلے میں تاخیر سے خود مغرب ہی کو نقصان پہنچے گا۔ مغرب کی اقدار اور مفادات دونوں ہی داؤ پر لگے ہوئے ہیں۔ مستقبل بعید میں ان کی بقا کا مدار اس امر پر ہے کہ باقی دنیا کے ساتھ چلنے کے لئے وہ کیا حکمت عملی اختیار کرتا ہے۔ ایک آپشن تو یہ ہے کہ مغرب ان تمام ممالک کو نظرانداز کردے جو اس کی بالادستی کے لئے خطرہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور صرف ان ممالک کو گلے لگائے جنہیں وہ پسند کرتا ہے۔ چند ممالک کو ''اچھا'' اور دوسروں کو ''برا'' قرار دے کر ان کے خلاف محاذ بنالیا جائے۔ چند ممالک پر بین الاقوامی پابندیاں عائد کرکے ان کی معیشت اور سیاست کو بڑی حد تک تباہ کردیا جائے اور انہیں سر اٹھانے کے قابل ہی نہ چھوڑا جائے۔ اور جن ممالک کو اپنا مطیع بنانا ہو ان پر جمہوریت مسلط کردی جائے۔ اور یہی نہیں، بلکہ ان تمام اقدامات کو عالمی برادری کی خواہش بھی قرار دیا جائے۔ اب تک امریکہ نے یہی کیا ہے اور اس کے بھیانک نتائج بھی دنیا نے دیکھ لئے ہیں۔ امریکی قیادت اپنی مرضی کمزور ممالک پر تھوپتی آئی ہے۔ کئی خطے اس روش کے باعث عدم توازن اور عدم استحکام سے دوچار ہوئے ہیں۔

بش انتظامیہ کی یہی سوچ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس طور ایک نیا مشرق وسطیٰ معرض وجود میں لایا جاسکے گا۔ مگر ایسا نہ ہوسکا اور پانچ ارب سے زائد غیر مغربی باشندوں کی نظر میں مغرب کا وقار مزید مجروح ہوا۔ امریکہ اپنی طاقت اور دولت کے بل پر اب بھی کروڑوں افراد کے لئے پرکشش ہے تاہم اس سے نفرت کرنے والوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ بش انتظامیہ نے اپنی بات منوانے کے لئے شدید خوف کے ماحول کو برقرار رکھا اور دنیا کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ دہشت گردوں سے نمٹنے کے لئے امریکہ اور دیگر مغربی قوتوں ہی پر انحصار کرنا ہوگا۔ بش انتظامیہ ہی کے دور میں دہشت گردوں کو سب سے بڑا خطرہ قرار دے کر امتیازی حیثیت دی گئی۔ امریکہ نے سیاست اور معیشت میں اپنی برتری ہر قیمت پر برقرار رکھنے کی کوشش کی اور اس کے لئے دوسروں کو خوفزدہ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ ابتداء میں یہ طریقہ امریکیوں کی اکثریت کو بہت اچھا اور کار گر لگا۔ مگر یورپ کے باشندے امریکہ کو شک کی نظر ہی سے دیکھتے رہے۔ امریکہ نے جو کچھ کیا اس نے مغرب کو اپنے اثرات کا دائرہ وسیع کرنے کے اہم موقع سے محروم کردیا۔ برطانیہ نے امریکہ کا ساتھ دیا مگر دیگر یورپی ممالک ہر معاملے میں امریکہ کے ہمنوا نہیں۔ باقی دنیا کے لئے یورپ کے متبادل پالیسیاں ممکن اور موجود ہیں۔ مسلم دنیا کو ناراض کرنے میں امریکہ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، مگر یورپ نے اس معاملے میں متوازن رویہ اپنایا ہے اور کوشش کی ہے کہ پالیسیوں میں توازن برقرار رہے۔ اس تبدیلی کو امریکی عوام بھی محسوس کرنے لگے ہیں۔ انہیں اس بات کا احساس ہے کہ مسلم دنیا سے تعلقات بگاڑنے پر ان کی حکومت نے خاصی محنت کی ہے۔

یورپ نے ہر معاملے میں توازن اور بردباری کا مظاہرہ کیا ہے امریکہ کو جمہوریت نافذ یا مسلط کرنے کے تجربے کی ناکامی سے سبق سیکھنا چاہئے اور ان ممالک کی نفسیاتی مشکلات کو سمجھنا چاہئے جو کبھی مغرب کے زیر تسلط رہے ہیں۔ مغرب کے تسلط سے گلو خلاصی کرنے کے باوجود ایشیا اور افریقہ کے کئی ممالک کے لئے مغرب سے بہتر طور پر کنارہ کش ہونا اب تک ممکن نہیں۔

مشرق وسطیٰ کو نئی شکل دینے کا خیال خاصا دل کش تھا۔ امریکہ میں بیشتر ڈیموکریٹس کو بھی یقین تھا کہ ان کی حکومت مشرق وسطیٰ کا نقشہ تبدیل کرنے میں کامیاب ہوجائے گی۔ انہیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ اقوام متحدہ کی حدود سے ہٹ کر جمہوری ممالک کی اپنی ایک تنظیم بھی معرض وجود میں لائی جاسکتی ہے! مگر اب مغرب کو اس بات کا یقین ہوچلا ہے کہ جمہوریت یا دوسرا کوئی بھی نظام حکومت کچھ دنوں کے لئے مسلط تو کیا جاسکتا ہے، مگر متعلقہ معاشرے کی رضا مندی کے بغیر پائیدار بنیاد فراہم نہیں کی جاسکتی۔ مغربی ممالک کسی بھی خطے میں سازشوں کے ذریعے ممالک کے حصے بخرے تو کرسکتے ہیں، کوئی مثبت معاشرتی یا سیاسی تبدیلی نہیں لاسکتے۔ کسی بھی معاشرے میں جمہوریت کی جڑیں مضبوط کرنے میں ایک زمانہ درکار ہوا کرتا ہے۔ مگر مغرب اس بات کو سمجھنے، ماننے یا قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہر معاملے میں من مانی کرنے سے جو خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں وہ پیدا ہورہی ہیں۔ دنیا بھر میں اپنی اقدار کے فروغ کو کوشش کے دوران مغرب نے مقامی حقائق کو یکسر نظرانداز کیا ہے۔ اب یہ روش ترک کی جانی چاہئے۔ کسی بھی معاشرے کی اقدار کو بہتر طور پر سمجھے بغیر کوئی بڑی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ جامد معاشرے بھی تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے خلوص نیت کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے اور صبر سے مزین انتظار بھی شرط ہے۔

مغرب کو اُبھرتی ہوئی معاشی قوتوں کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے۔ جن ممالک کی معاشی حالت زیادہ خراب ہے انہیں مزید دبانے اور دبوچ کر رکھنے کے بجائے ان سے اشتراک عمل کی راہ پر گامزن ہونے کی ضرورت ہے۔ یورپ نے دیرپا ترقی اور مفاہمت کا نسخہ پالیا ہے۔ اب صرف امریکہ کو راضی کرنا رہ گیا ہے۔ آج کی دنیا میں مخاصمت، محاذ آرائی اور کشیدگی کی گنجائش کم ہی رہی گئی ہے۔ عالمگیریت کا تقاضا ہے کہ سب مل کر کام کریں اور دنیا کو بہتر سکونت گاہ میں تبدیل کریں۔ امریکہ کی حکومتی مشینری کو تسلیم کرنا ہوگا کہ معاملات کو سیاسی اور سفارتی طریقوں سے درست کرنا ہی درست ہوگا۔

> مشرق وسطیٰ کو نئی شکل دینے کا خیال خاصا دل کش تھا۔ امریکہ میں بیشتر ڈیموکریٹس کو بھی یقین تھا کہ ان
> کی حکومت مشرق وسطیٰ کا نقشہ تبدیل کرنے میں کامیاب ہوجائے گی۔ انہیں اس بات کا بھی یقین تھا
> کہ اقوام متحدہ کی حدود سے ہٹ کر جمہوری ممالک کی اپنی ایک تنظیم بھی معرض وجود میں لائی جاسکتی ہے!
> مگر اب مغرب کو اس بات کا یقین ہوچلا ہے کہ جمہوریت یا دوسرا کوئی بھی نظام حکومت کچھ دنوں کے لئے
> مسلط تو کیا جاسکتا ہے، مگر متعلقہ معاشرے کی رضا مندی کے بغیر پائیدار بنیاد فراہم نہیں کی جاسکتی

مشرق وسطی میں حقیقی امن کا قیام ناگزیر ہے۔ عرب اسرائیل تنازع حل کئے بغیر حقیقی امن اور استحکام کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ امریکہ اور یورپ کو نظریات سے منہ موڑ کر سیاست کی طرف واپس آنا ہوگا۔ ہر معاملے کو نظریاتی نقطہ نظر سے دیکھنا کس قدر خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اس کی وضاحت اب ضروری نہیں رہی۔ امریکہ نے ۱۹۴۵ء میں ایک نئے عالمی نظام کی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد قائم ہونے والی لیگ آف نیشنز کے تجربے کی ناکامی سے امریکی قائدین نے بہت کچھ سیکھا اور دوسری جنگ عظیم کے دوران نئے عالمی نظام کے بارے میں سوچا اور جنگ کے خاتمے پر اسے عملی شکل بھی دے دی۔

کل تک یہ ممکن تھا کہ ایک یا دو ممالک عالمی سیاست اور معیشت کو کنٹرول کرلیں اور عسکری بنیاد پر اپنی حیثیت مستحکم تر کریں مگر اب ایسا ممکن نہیں ہے۔ کئی ممالک تیزی سے اُبھر رہے ہیں اور ان کی معیشت اور عسکری حیثیت کے استحکام کو روکنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ چند ممالک علاقائی بنیاد پر تنظیمیں بناکر معاشی اور دفاعی امور کے تقاضے پورے کررہے ہیں۔ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس یا جرمنی مل کر بھی دنیا کو چلا نہیں سکتے۔ مغربی دنیا کو یہ بات سمجھنا ہوگی کہ اب زمانہ مل کر چلنے کا ہے۔ ایشیا اور بحرالکاہل کے علاقے میں چند ممالک اس قدر تیزی سے مستحکم ہورہے ہیں کہ انہیں نظرانداز کرنا عالمی مالیاتی نظام کو داؤ پر لگانے کے مترادف ہوگا۔ بین الاقوامی سیاسی تھیٹر چند اداکاروں کے کنٹرول میں ہوگا تو خرابیوں کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ علاقائی بنیاد پر قائم ہونے والے سیاسی اور معاشی اتحاد بین الاقوامی معیشت کے لئے مشکلات ہی پیدا کرتے رہے ہیں۔ یورپی یونین نے علاقائی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر اپنے وجود کو منوانے کی کوشش کی ہے اور دوسروں کو ساتھ لے کر چلنے کا جذبہ بہت حد تک موجود ہے۔ امریکہ اس امر کو تسلیم کرنے سے گریز کررہا ہے کہ اب دنیا کو کسی ایک میکینزم سے نہیں چلایا جاسکتا۔ اقوام متحدہ جیسے ادارے اس دنیا کے لئے کسی بھی طور موزوں نہیں۔ علاقائی تنظیموں کو بھی اہم گرداننا ہوگا اور ان کی باتوں کو ماننا بھی ہوگا۔ ایشیا سب سے بڑا براعظم ہے۔ اس میں جاپان اور چین جیسے ترقی یافتہ اور بھارت، ملائشیا اور انڈونیشیا جیسے تیزی سے اُبھرتے ہوئے ممالک ہیں۔ اسی طور جنوبی امریکہ میں برازیل اور وینزویلا کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ بین الاقوامی سیاسی اور معاشی حالات پوری دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ترقی یافتہ دنیا میں اختلافات معمول کا حصہ ہیں۔ اسی طرح اُبھرتی ہوئی معیشتوں میں بھی بہت سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اختلافات کی بنیاد پر کشیدگی اور محاذ آرائی دانش مندی نہیں۔ چند عشروں کے دوران مختلف نوعیت کے اتحاد بنتے اور ٹوٹتے رہے ہیں اور ایسا ہوتا رہے گا۔ تمام ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کو یہ بات یاد رکھنا ہوگی کہ آج کی دنیا میں ترقی اور جنگ کو محدود نہیں رکھا جاسکتا۔ کشیدگی دو ممالک کے درمیان بھی ہوتو پہلے پورے خطے کو متاثر کرتی ہے اور اس کے بعد عالمی سطح پر بھی اس کے اثرات محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اُبھرنے والی دنیا میں حیرت انگیز امر یہ ہے کہ جنگ وجدال اور ترقیات کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے۔ کہیں امن ہے اور ترقی کے لئے بھرپور اقدامات کئے جارہے ہیں۔ اور کہیں کشیدگی اور محاذ آرائی ہے۔ کئی خطے شدید عدم استحکام سے دوچار ہیں اور دوسری طرف کئی خطوں میں بظاہر سکون، خوشحالی اور استحکام ہے۔ دنیا اسی طور پر چلتی رہی ہے، اور چلتی رہے گی۔

مغرب کو اندرونی اختلافات سے گریز کرنا ہوگا۔ امریکہ اور یورپی یونین کو بدلتی ہوئی دنیا میں بہتر ہم آہنگی اور فہم کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ ان کے اندرونی اختلافات دو خطوں کو شدید متاثر کریں گے۔ دونوں کو زمینی حقائق کے مطابق اپنی پالیسیاں ہی نہیں، حکمت ہائے تبدیلی بھی تبدیل کرنا پڑیں گی۔ ایسا کرنا اس لئے ناگزیر ہے کہ عالمی سیاست اور معیشت میں ان کا کردار نمایاں ہے اور ان کے اختلافات ان ہی کی نہیں، عالمی نظام کی کمزوری کا باعث بنیں گے۔ یورپ کے اندرونی اختلافات سے بھی امریکہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ چند اُبھرتی ہوئی قوتوں کو اس کا فائدہ البتہ پہنچے گا۔ چین، بھارت اور دیگر اُبھرتی ہوئی قوتوں کو بہتر طور پر سمجھنے اور برتنے میں امریکہ اور یورپ کے درمیان ہم آہنگی کا پایا جانا ناگزیر ہے۔

آٹھ سال کے بعد امریکہ میں نئی انتظامیہ آرہی ہے اور یہ انتظامیہ واقعی نئی ہے۔ براک اوباما امریکہ کے پہلے سیاہ فام صدر ہی نہیں، قومی حکومت کے قیام کی راہ ہموار کرنے والے پہلے امریکی رہنما کا اعزاز بھی پانے والے ہیں۔ انہوں نے اپنی انتظامیہ میں ری پبلکن پارٹی سے ایسی شخصیات کو بھی شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو ملک کو بہتر طور پر چلانے میں خاصی معاون ثابت ہوسکتی ہیں۔ براک اوباما سے یورپ نے بھی خاصی توقعات وابستہ کررکھی ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ اوباما کی قیادت میں امریکہ تبدیل ہوگا اور عالمی سطح پر ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ امریکہ اور یورپ کو زمینی حقائق کی بنیاد پر ایک ایسا سیاسی اور دفاعی اتحاد تشکیل دینا ہے جس میں دوسروں کو قبول کرنے کی گنجائش اور کسی بھی صورت حال کے مطابق تبدیل ہونے کی صلاحیت پائی جاتی ہو۔ امریکہ تنہا سفر کرنے کی پالیسی ترک کردے تو عالمی سطح پر مثبت تبدیلیاں رونما ہوں گی اور اربوں افراد سکون کا سانس لیں گے۔ امریکہ کو یورپ سے بامعنی مذاکرات کے لئے تیار ہونا ہے۔ دونوں کے درمیان امن، دوستی اور اقتصادی تعاون، کا نیا رشتہ دنیا بھر میں اہم تبدیلیوں کی راہ ہموار کرے گا۔ سوال صرف یہ ہے کہ امریکہ مذاکرات کی میز پر کوئی ایسا قدم تو نہیں اٹھائے گا جو اس کی انا کا مظہر ہو؟

مغرب کے لئے فیصلے کی گھڑی آچکی ہے۔ معاشی اور عسکری قوت کی بنیاد پر تہذیبی برتری قائم اور ثابت نہیں کی جاسکتی۔ مغرب کے اہل دانش اس بات کو سمجھتے ہیں اور اسی لئے وہ مفاہمت کی بات کررہے ہیں۔ مغرب کے سیاست دانوں اور عسکری قائدین کو پالیسیوں پر نظر ثانی کرنا ہوگی تاکہ دوسروں کو قبول کرنے کا بھرپور جذبہ اور گنجائش پیدا ہو۔ اُبھرتی ہوئی قوتیں عالمی حالات پر اثر انداز ہورہی ہیں۔ ان کا راستہ روکنا بہت کچھ داؤ پر لگانے کے مترادف ہوگا۔ توانائی اور خوراک کا بحران پیدا کرکے اُبھرتی ہوئی معیشتوں کو دبایا نہیں جاسکتا۔ اس نوع کے اقدامات سے خود ترقی یافتہ دنیا کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے لئے بہتر راستہ یہ ہے کہ چین، بھارت اور برازیل جیسی اُبھرتی ہوئی قوتوں کے وجود کو پوری دیانت سے تسلیم کریں اور ان کے ساتھ کام کرنے پر توجہ دیں۔ اسی صورت عالمگیر سطح پر ہم آہنگی پیدا ہوگی اور دنیا کو ایک نئے، خوش کن دور میں داخل کرنا ممکن ہوسکے گا۔

●●

یورپی زبانوں میں عربی کے متعدد الفاظ استعمال ہوتے ہیں

ڈاکٹر ف عبدالرحیم

انٹرویو: الطاف احمد مالانی عمری

ڈاکٹر ف عبدالرحیم صاحب کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ موصوف کا شمار علم لسانیات کے عالمی ماہرین میں ہوتا ہے۔ اس فن میں ان کی کئی کتابیں عربی اور اُردو میں شائع ہوکر سند قبولیت حاصل کرچکی ہیں۔ اسی فن میں چند ماہ پہلے ان ایک نئی تصنیف انگریزی زبان میں Europe Speaks Arabic کے نام سے انسٹی ٹیوٹ آف دی لینگویج آف دی قرآن، ٹورنٹو، کینڈا سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب کی اشاعت کے بعد اس کے تعلق سے ڈاکٹر صاحب سے ایک گفتگو ہوئی جو پیش خدمت ہے:

س: کتاب کا نام خاصا چونکا دینے والا ہے۔ اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟

ج: کتاب کا موضوع عربی زبان کے وہ الفاظ ہیں جو انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں مستعمل ہیں اور ان کے جزولاینفک بن چکے ہیں۔ ان میں سے بعض الفاظ زبان کے بنیادی عناصر کا درجہ رکھتے ہیں۔ بنابریں کچھ مبالغہ کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یورپی لوگ عربی بولتے ہیں۔ میں نے کتاب میں لکھا ہے کہ انگریزی جملے Check Sugar in your Coffee, admiral میں سارے کے سارے الفاظ عربی الاصل ہیں۔ "admiral" عربی کے امیر البحر کی مختصر شکل ہے۔ انہوں نے (البحر) سے (بحر) کو حذف کردیا، اور اس کے (ال) کو (امیر) کے ساتھ جوڑ دیا۔ اس طرح یہ لفظ (امیرل) بن گیا۔ فرانسیسی زبان میں یہ لفظ اب تک amiral ہی ہے۔ انگریزی میں بھی پہلے (امیرل) تھا بعد میں انگریزی زبان کے ماہرین نے سمجھا کہ یہ لفظ لاطینی (ableadmir) یعنی قابل ستائش کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ چنانچہ انہوں نے Amiral میں ایک حرف "d" کا اضافہ کردیا اس طرح یہ لفظ admiral بن گیا۔ Coffee عربی لفظ قہوۃ سے ماخوذ ہے۔ Sugar عربی سُکّر سے آیا ہے۔ اور Check شطرنج کے اصطلاحی لفظ (ستاہ) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس لفظ کی دلچسپ تاریخ میری کتاب ''پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ الفاظ سے'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

س: کیا آپ کتاب کی تالیف کے پس منظر پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

ج: ویسے تو اوائل عمر سے یہ میری دلچسپی کا موضوع رہا ہے اور میں ایسے الفاظ جمع کرتا رہا ہوں۔ لیکن گزشتہ تقریبا تین برسوں سے اس موضوع پر میں نے دوبارہ زیادہ توجہ دی ہے۔

س: اس توجہ اور دلچسپی کی کوئی خاص توجہ؟

ج: زبانیں قوموں کی تہذیب کی آئینہ دار ہوتی ہیں چنانچہ یورپی زبانوں میں ان عربی الفاظ کا وجود زندگی کے مختلف میدانوں (علمی، سیاسی، سائنسی، اور عسکری) میں مسلمانوں کی ترقیوں اور دنیا پر ان کے اثرات کا ایک ہلکا سا پرتو ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پہلو کو اُجاگر کرنے کی آج سے زیادہ سخت ضرورت کبھی نہیں رہی تاکہ ایک طرف جہاں یورپی اقوام اور غیر مسلموں میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکے اور یہ بات ان کے سامنے آسکے کہ انسانی تہذیب وتمدن کی ترقی میں مسلمانوں کا قابل قدر حصہ رہا ہے وہیں دوسری طرف اس تعلق سے مسلمانوں میں پایا جانے والا احساس کمتری بھی دُور ہوسکے۔

س: آپ نے الفاظ کو کتاب میں کس طرح پیش کیا ہے؟ مختلف زبانوں میں پائے جانے والے عربی الفاظ کی زبان کی ترتیب سے فہرست پیش کی ہے یا کوئی اور طریقہ اپنایا ہے؟

ج: انگریزی اور بعض دوسری یورپی معتبر ڈکشنریوں میں الفاظ کی اصل بتائی جاتی ہے جن میں ضمناً ان الفاظ کا بھی تذکرہ ہوتا ہے جن کی اصل عربی ہے۔ المورد کے آخر میں بھی اس طرح کے الفاظ کی فہرست موجود ہے۔ چنانچہ اگر صرف فہرست ہی مقصود ہوتو اس کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں۔ میں نے بھی ابتداء میں ڈکشنری کے طرز پر ان الفاظ کو مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ یہ کتاب خواص تک محدود نہ رہے۔ بلکہ عوام بھی اسے پڑھیں، اگر ان الفاظ کی فہرست دی جاتی تو کتاب میں عام قارئین کے لئے دلچسپی کا کوئی پہلو نہ ہوتا۔ اس لئے میں نے ڈکشنری والا انداز ترک کرکے کتاب کو مکالمے کی شکل میں ڈھالا ہے۔ مکالمہ احمد نامی ایک عرب اور Eric نامی ایک انگریز کے درمیان ہے۔ مکالمے کے ذریعے کتاب میں دلچسپی پیدا کرنے اور اسے آخر تک برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری یہ کوشش بحمداللہ کافی حد تک کامیاب رہی۔ ساتھ ہی میں نے یہ کوشش کی ہے کہ اسلوب خالص علمی اور سائنسی ہو، انداز بیان نرم ہو، مخاطب کے احترام کے ساتھ اپنی بات اس کے گوش گزار کی جائے اور اظہار برتری نیز تضحیک اور تذلیل سے پرہیز کیا جائے۔

س: آپ نے جن الفاظ کو اصلاً عربی قرار دیا ہے ان کے بارے میں دیگر ماہرین کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ بھی آپ سے اتفاق رکھتے ہیں؟

ج: میں نے اس کتاب میں صرف ان الفاظ کا تذکرہ کیا ہے جنہیں انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں کے ماہرین نے بھی اصلاً عربی تسلیم کیا ہے۔ اس طرح یہ صرف میری انفرادی رائے نہیں ہے۔ البتہ اس کے ذریعہ ضمناً آکسفورڈ کی بعض غلطیوں کی نشاندہی اور تصحیح کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً قطن کو اکسفورڈ میں قوطن درج کیا گیا ہے۔

س: کتاب میں کن زبانوں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے؟

ج: اس میں فرانسیسی، انگریزی، اطالوی، اسپانوی، پرتگالی، جرمن، سویڈش، ڈچ، روسی اور ڈینش، زبانوں کے الفاظ کا بالالتزام ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ کہیں کہیں حربی، جدید یونانی، البانوی اور مقدونی الفاظ کا تذکرہ بھی ہے۔

س: کچھ مزید الفاظ کی نشاندہی جن کا آپ نے کتاب میں ذکر کیا ہو۔

ج: میں یہاں صرف الفاظ کا ذکر کروں گا ان کی تفصیل کتاب میں دی گئی ہے۔ بعض الفاظ یہ ہیں: alcohol, arsenal, average, benzene, cable, cotton, carat, cheque, lute, magzine, mattress, mocha, soda, sofa, tarif, vega, zenith, zero وغیرہ۔

س: ہندوستان میں یہ کتاب کہاں سے مل سکتی ہے؟

ج: کتاب مدراس کے اس پتے سے حاصل کی جاسکتی ہے:

Islamic Foundation Trust
78, Perambur High Road,
Chennai

●●

سیموئیل پی ہنٹنگٹن: بعد از مرگ بھی متنازع شخصیت

عمران لاری

امریکہ کے مشہور مصنف سیموئیل پی ہنٹنگٹن ۲۴ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو انتقال کرگئے۔ ان کی پیدائش ۱۸ر اپریل ۱۹۲۷ء کو امریکہ کے شہر نیویارک میں ہوئی۔ انہوں نے نیویارک، یونیورسٹی سے پولیٹیکل سائنس میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد امریکی فوج میں شمولیت اختیار کرلی، جس کے بعد شکاگو یونیورسٹی سے ماسٹرز ڈگری اور ہارورڈ یونیورسٹی سے اسی مضمون میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ ان کی پہلی کتاب "Soldier and the State" ۱۹۵۷ء میں منظر عام پر آئی جس کا موضوع عوامی حکومت اور فوجی تعلقات تھا۔ اس کتاب کو امریکی سول سوسائٹی میں بہت سراہا گیا، لیکن جس کتاب نے انہیں صف اوّل کے مصنفین کی فہرست میں شامل کیا وہ "Politcal in changing Societies" تھی۔ اس کے بعد انہوں نے سیاست، جدیدیت، معاشیات اور سماجی ترقی پر کئی کتابیں تحریر کیں، ساتھ ہی امریکن اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی معاونت بھی کی۔ ۱۹۶۸ء میں شائع ہونے والا ان کا مقالہ "Foreign Affairs" اسی سلسلے کی کڑی تھا۔ ۱۹۷۶ء میں Trilateral Commission کی شائع ہونے والی رپورٹ "Crisis Domocracy" میں بھی ان کی معاونت شامل تھی۔ ان کے علاوہ بھی ہنٹنگٹن نے کئی کتابیں تصنیف کیں، لیکن عالمی سطح پر جس کتاب نے ان کو مشہور مصنفین اور نقادوں کی فہرست میں شامل کیا۔ اس کا نام "The Clash of Civilizations" ہے۔ اس کتاب کو جہاں بہت سراہا گیا ہے، وہیں اس کے بارے میں ایک تاثر یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مذکورہ کتاب ہی سرد جنگ کے اختتام پر عالمی تہذیبوں کے درمیان خلیج میں اضافے کا باعث بنی۔ یہ بات کچھ ناقدین کی نظر میں درست ہے تو کچھ اس بات کو تصور کا صرف ایک رُخ سمجھتے ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں ہنٹنگٹن کو نیشنل اکیڈمی آف سائنس کی ممبر شپ کے لئے نامزد کیا گیا، لیکن یہ نامزدگی اس وقت تنازع کا شکار ہوگئی، جب ریاضی کے پروفیسر سرج لینگ نے ہنٹنگٹن کی نامزدگی کو چیلنج کردیا۔

پروفیسر لینگ اور ہنٹنگٹن کے اختلافات کی بنیادی وجہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہونے والی کتاب Political Order in Changing Societies ہے۔ جس میں ہنٹنگٹن نے لینگ کے ایک تبصرے کو ''نام نہاد شماریاتی تجزیہ'' قرار دیا تھا۔ اس کے بعد سے دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے، جن میں ۱۹۸۶ء تک کافی شدت آگئی۔ ہنٹنگٹن معروف مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ ہارورڈ یونیورسٹی کے شعبۂ تعلقات عامہ کے سربراہ بھی تھے۔ اس کے علاوہ ''دی نیویارک ٹائمز'' اور دی نیو ریپبلک'' میگزین کے لئے مضامین بھی تحریر کرتے رہے۔ آج بھی ایک طرف تو ان کی تحریر کردہ کتابیں مختلف ملکوں کے نصاب میں پڑھائی جارہی ہیں تو دوسری طرف ان کی کئی تصانیف (خاص طور پر ''تہذیبوں کا تصادم'') پر ناقدین کے تبصرے وتجزیے جاری ہیں۔

ہنٹنگٹن کے تجزیے پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ وہ تہذیبوں کے تصادم کی وکالت کررہے ہیں۔

سیموئیل پی ہنٹنگٹن کے بارے میں جامعہ کراچی کے پروفیسر ڈاکٹر سید جعفری کا کہنا ہے کہ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ان کی تحریریں امریکہ ویورپ اور بہت سے دوسرے خطوں کے سیاسی نصاب میں شامل ہوچکی تھیں۔ وہ مغربی سیاسی نظاموں اور لبرل سیاسی اقدار کے بڑے علمبردار اور اشتراکیت

باقی صفحہ ۸ پر

POSTED ON 20 February 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/2006-08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8. ۲۲رفروری ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawaturdu@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
DL (S) - 05 / 3128 / 2090 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post
POSTAL REGISTRATION No.

ممبئی حملوں کا مقدمہ، سفارتکاروں کی رائے

سہیل حلیم (بی بی سی)

ممبئی حملوں کے سلسلے میں پاکستان کے اس اعتراف کے بعد کہ سازش کا کچھ حصہ پاکستان میں تیار ہوا تھا، چند بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر کیا پاکستان نے یہ قدم بین الاقوامی برادری کے دباؤ میں اٹھایا ہے؟ کیا ہندوستان اس کارروائی سے مطمئن ہوگا؟ اور دونوں ملکوں کے تعلقات پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ اس پر سابق سفارتکار کیا کہتے ہیں؟ ہم نے پاکستان کے سابق خارجہ سکریٹری نجم الدین شیخ اور ہندوستان کے سابق خارجہ سکریٹری ششانک کے سامنے یہ سوال رکھے:

سوال:- ممبئی حملوں کے سلسلے میں پاکستان کی جانب سے مقدمہ درج کئے جانے میں بین الاقوامی دباؤ کس حد تک اثر انداز ہوا؟

نجم الدین شیخ:- میرے خیال میں بین الاقوامی تشویش کا تو ضرور خیال رکھا گیا ہے لیکن حکومت پاکستان کو خود بھی یہ احساس تھا کہ اس واقعے کی تفتیش کرنی ہوگی کیونکہ حکومت یہ کہتی رہی ہے کہ دہشت گردی صرف ہندوستان کے لئے ہی نہیں پاکستان کے لئے بھی بڑا خطرہ ہے۔

ششانک:- بین الاقوامی برادری کی طرف سے جو مسلسل دباؤ رہا اس کا کچھ تو اثر نظر آتا ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ افغانستان اور پاکستان کے لئے امریکہ کے خصوصی ایلچی رچرڈ ہال بروک کی موجودگی بھی اہم رہی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان نے جو ثبوت فراہم کئے تھے ان پر کتنی کارروائی کی گئی ہے۔

سوال :- ہندوستان نے جس جارحانہ سفارت کاری کا سہارا لیا، اقوام متحدہ میں جماعت الدعوۃ کے خلاف کارروائی کرائی، اس سے کیا پاکستان دباؤ میں آگیا تھا؟

نجم الدین شیخ:- نہیں، اس کے برعکس مجھے لگتا ہے کہ ہندوستان اگر اس معاملے کو اتنا نہ اچھالتا ہو پاکستان شاید زیادہ مستعدی سے کارروائی کرتا۔ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ یہاں کوئی یہ تاثر نہیں دے سکتا کہ ہندوستان کے دباؤ میں کوئی کارروائی کی جارہی ہے۔ انکوائری تو ہونی ہی تھی۔ اگر ہندوستان کی طرف سے دباؤ پیدا ہوتا تو وہ زیادہ بہتر ماحول میں ہوتی کیونکہ اندرون ملک سیاسی مسائل کا خطرہ نہیں ہوتا۔

ششانک :- وجہ تو کئی رہی ہوں گی لیکن اہم بات یہ ہے کہ دیر ہی سے سہی، کچھ اقدامات کئے گئے ہیں۔ اب ہندوستان کی کوشش یہ ہوگی کہ اس کارروائی کو تیزی سے آگے بڑھایا جائے۔

نجم الدین شیخ:- میرے خیال میں ملک میں اب تشویش کافی بڑھی ہوئی ہے اور دہشت گردی کو ختم کرنے کی ایک سنجیدہ کوشش کی جارہی ہے۔

ششانک :- میرے خیال میں کوشش تو یہ ہی ہوگی کہ بات یہیں رک جائے۔ ہندوستان میں اس پورے تفتیشی عمل کے بارے میں بہت شک وشبہات ہیں۔ عام خیال یہی ہے کہ پاکستان نے جو کچھ قدم اٹھائے ہیں وہ بہت دیر کے بعد اٹھائے ہیں اور وہ کافی نہیں ہیں۔

سوال :- پاکستان کے اندر کس طرح کے ردعمل کی توقع ہے، خاص طور پر مذہبی جماعتوں کی طرف سے؟

نجم الدین شیخ:- اگر حکومت اس طریقے سے چلے کہ عدالت کو ثبوت فراہم کرنے کے لئے جو کارروائی کرنی ہے وہ کی جارہی ہے تو مذہبی جماعتوں کے لئے احتجاج کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر من مانے طریقے سے گرفتاریاں کی گئیں تو احتجاج کا راستہ کھل جاتا ہے۔ لیکن اسی وجہ سے شاید یہ کارروائی کافی سوچ سمجھ کر کی جارہی ہے۔

سوال :- آپ کا تجربہ کیا کہتا ہے کہ ہندوستان کیا اس کارروائی سے مطمئن ہوگا یا دباؤ قائم رکھے گا؟

نجم الدین شیخ:- میرے خیال میں ہندوستان میں اسے بغیر کسی جوش کے قبول کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان جس بین الاقوامی برادری سے پاکستان پر دباؤ ڈلوانا چاہتا ہے اسی سے ہندوستان کو یہ پیغام بھی مل رہا ہے کہ دونوں ملکوں میں جتنا کم ٹکراؤ ہو اتنا اچھا ہے اور وہ بات چیت کے ذریعے اپنے اختلافات دور کریں۔ وہ کہیں گے کہ کچھ پیش رفت ہوئی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی ہم چاہتے تھے۔

ششانک :- میرے خیال میں یہ دیکھا جائے گا کہ پاکستان نے تمام پہلوؤں کی تفتیش کی ہے یا صرف انہی معاملات کی جہاں وہ گھر گئے تھے، جہاں انہیں خیال تھا کہ پاکستانی پکڑے جائیں گے۔

انھوں نے دوسرے ملکوں میں کیا ہوا یہ تو معلوم کرلیا لیکن اب تک یہ پتہ نہیں لگا سکے کہ اندرون ملک کس کس نے اس سازش میں مدد کی تھی۔ کیا کوئی ریاستی ایجنسی بھی اس میں ملوث تھی؟ یعنی وہ باتیں اب تک پتہ نہیں چلیں جو ان آٹھ ہفتوں میں چل سکتی تھیں۔

سوال :- باہمی تعلقات کے لئے آپ اس پیش رفت کو کتنا اہم مانتے ہیں؟

نجم الدین شیخ:- یہ اہم رہے گا۔ مجھے اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس سلسلے میں ہندوستان میں غصہ بھی ہے اور تشویش بھی، لیکن وہاں بھی تجزیہ نگار یہی کہہ رہے ہیں کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے حکومت پاکستان کے لئے اس تفتیش کے سلسلے میں مزید مشکلات پیدا ہوں۔ میں اس بات سے بھی اتفاق نہیں کرتا کہ حکومت ہند عنقریب ہونے والے پارلیمانی انتخابات کی وجہ سے سخت رویہ اختیار کرے گی کیونکہ ممبئی حملوں کے فوراً بعد جو ریاستی انتخابات ہوئے تھے ان پر ممبئی حملوں کا کوئی خاص اثر دیکھنے کو نہیں ملا تھا۔

ششانک :- جس طرح کے حالات ہوگئے ہیں ان میں امن کا عمل جاری رہے یہ تو بہت مشکل ہے۔ لہٰذا اعتماد کی فضا بحال کرنے کیلئے ابھی بہت کچھ کرنا ہوگا۔ ●●

اُمت مسلمہ کے دُشمن

کوثر علی صدیقی

۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل میں یہودی کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا جس میں دنیا بھر کے تھنک ٹینک شریک ہوئے تھے۔ اس کانفرنس میں چوبیس ابواب پر مشتمل یہودیوں کی جو خفیہ دستاویزات (Protocols) منظور ہوئیں اس کے بارے میں دنیا والوں کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ دستاویزات آگے چل کر کیا رنگ لائیں گی۔ دنیا میں کتنی خونیں جنگیں برپا ہوں گی اور کتنے معاشروں میں بحران آئیں گے، کتنی حکومتوں کے تختے الٹ جائیں گے اور کتنے لوگوں کو ان کی سرزمینوں سے بے دخل کردیا جائے گا۔

یہ کسی افسانے کے پیراگراف نہیں بلکہ حقیقت کی ترجمانی ہے۔ یہ حقیقت دنیا پر عیاں ہوچکی ہے اور مسلم دنیا پر اس میٹنگ کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوچکے ہیں اور فلسطین، عراق، افغانستان، بوسنیا اور دیگر مسلم ممالک میں جس طرح مسلمانوں کا قتل عام کیا جارہا ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔

یہ کانفرنس درحقیقت تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ تھا جیسا کہ پروٹوکول ۳ میں اسرائیل کو ایک سانپ سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ پیش گوئی کی گئی ہے کہ یہ سانپ ہمارے منصوبے کے عین مطابق اپنا گھناؤنا عمل اس وقت تک جاری رکھے گا۔ اس گھناؤنے عمل کی بنیاد ۱۴ر مئی ۱۹۴۸ء کو یہودی ریاست اسرائیل کے قیام کی صورت میں رکھی گئی اور بعد کے برسوں میں عربوں کی زمین چھین کر عظیم اسرائیل کے سلسلے کو بتدریج آگے بڑھایا گیا۔

اسرائیل کی حالیہ دہشت گردی کے نتیجے میں چودہ سو سے زائد معصوم فلسطینی مسلمان شہید ہوچکے ہیں، جس میں چار سو کے قریب معصوم بچے اور پانچ سو کے قریب خواتین ہیں تقریباً ۵۵۰۰ سے زائد فلسطینی زخمی ہوئے ہیں۔ اسرائیل نے نہتے فلسطینی مسلمانوں پر فاسفورس بموں کا استعمال بھی کیا ہے جو اس کی بربریت کا واضح ثبوت ہے۔ اسرائیل کی دہشت گردی کے خلاف ساری دنیا میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی ہے اور عوام کی جانب سے یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ معصوم فلسطینیوں کے خلاف ہونے والے ظلم کا حساب لیا جائے اور اقوام متحدہ اور مسلمان ممالک اسرائیل کے خلاف اپنا لائحہ عمل اختیار کریں کیونکہ جس جارحیت کا ثبوت اسرائیل اور اس کی فوج نے دیا ہے وہ سراسر دہشت گردی ہے۔ دوسری طرف امریکہ دہشت گردی کی آڑ میں دنیا بھر کے مسلمان ممالک پر جنگ مسلط کررہا ہے تو اسے اسرائیل کی من مانی ہٹ دھرمی کیوں نظر نہیں آتی؟ اگر امریکہ نے اسرائیل کے خلاف عملی کردار ادا نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے خلاف امریکہ کی ایماء پر یہ ظلم وستم کیا جارہا ہے، لہٰذا تمام مسلمان ممالک کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اب بھی ہوش کے ناخن لیں اور اپنا عملی کردار ادا کریں ورنہ ایک ایک کرکے تمام مسلمان ممالک یہودیوں کے لئے تختۂ مشق بنتے جائیں گے، جیسا کہ امریکہ مسلمان ممالک میں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو دہشت گردی کی آڑ میں لقمہ اجل بنا چکا ہے جس کی واضح مثال افغانستان اور عراق ہیں۔ ان دونوں مسلمان ممالک میں امریکہ نے دہشت گردی کا بے جواز الزام لگا کر فوجی طاقت استعمال کی اور امریکہ اور اس کی اتحادی فوج اب تک ان ممالک پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ تمام اسلامی ممالک آپس کے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مخالفین پر دباؤ ڈالتے ہوئے یہودیوں اور ان کے ایجنٹوں کو یہ باور کرائیں کہ ہم کسی بھی صورت میں ظلم وستم کا بازار گرم نہیں ہونے دیں گے۔ اگر اسلامی ممالک کے سربراہان نے اپنا لائحہ عمل اختیار نہیں کیا تو آئندہ صیہونی طاقتیں کسی بھی اسلامی ملک کو باآسانی نشان عبرت بنا سکتی ہیں۔ ضروری ہے کہ بین الاقوامی صورتحال پر نظر رکھتے ہوئے دنیا کے تمام مسلم ممالک کے سربراہان آپس کے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دین اسلام کی سربلندی کے لئے فوری طور پر ایک کانفرنس منعقد کریں اور جو مسائل دنیا کے اسلامی ممالک کو درپیش ہیں، اس کے حل کیلئے سنجیدہ کوششیں کریں اور تمام صاحب حیثیت اسلامی ممالک اپنا ایک اسلامی فنڈ قائم کریں تاکہ غریب اسلامی ممالک آئی ایم ایف کے دروازے پر نہ جاسکیں اور ان کے جائز وناجائز مطالبات ماننے پر مجبور نہ ہوسکیں۔ یہی ایک صورت ہے جس سے یہودیت کے منھ زور گھوڑے کو لگام دی جاسکتی ہے۔

اگر سربراہان مسلم ممالک نے اپنا دینی فریضہ ادا نہ کیا اور عیش وعشرت میں مشغول رہے تو جو حشر اسپین میں فرنانڈس نے عبداللہ کا کیا تھا، وہی ان کا بھی ہوگا۔ تمام اسلامی ممالک کو عیش وعشرت سے تائب ہونا پڑے گا کیونکہ دشمن ہم سے کئی گنا طاقتور ہے اور اس کے مقابلے کے لئے ہمیں جدید علوم وٹیکنالوجی حاصل کرنی ہوگی اور دین اسلام کی غلط ترجمانی کرنے والوں کا محاسبہ کرنا پڑے گا کیونکہ جہاد کے نام پر ہزاروں معصوم نوجوانوں کو موت کی بھینٹ چڑھادیا گیا ہے، لیکن اس کا درس دینے والے اور ان کی اولاد اس سے قاصر ہیں۔ ہمیں دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ اس طرح ہم دین ودنیا میں کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔ ●●

افغانستان میں مزید فوج کی تعیناتی

امریکی صدر بارک اوباما نے افغانستان میں سیکورٹی کے فوری تقاضے، پورے کرنے کے لئے سترہ ہزار تک اضافی فوج کی تعیناتی کی منظوری دے دی ہے۔ وہائٹ ہاؤس سے جاری ایک بیان میں صدر بارک اوباما نے کہا کہ دو بریگیڈ افغانستان بھیجی جائیں گی جن میں سے ایک بری فوج کی ہوگی اور ایک مرین فوجیوں کی۔ اضافی فوج کی تعیناتی کا حکم ایسے وقت دیا گیا ہے جب امریکہ افغانستان میں اپنی حکمت عملی پر نظرثانی کررہا ہے۔ اس سے پہلے خیال کیا جارہا تھا کہ صدر اوبامہ تقریباً تیس ہزار اضافی فوج افغانستان بھیجنے والے ہیں۔ دفاعی اہلکاروں کے مطابق فوجی کمک موسم گرما سے پہلے ہی افغانستان پہنچ جائے گی جب برف کے پگھلنے کے ساتھ طالبان کی سرگرمیوں میں تیزی آتی ہے۔ امریکہ کے ۳۳ ہزار فوجی پہلے سے افغانستان میں موجود ہیں جن میں سے چودہ ہزار ناٹو کے پرچم تلے ہیں۔ صدر نے کہا کہ افغانستان میں بگڑتی ہوئی صورتحال کو سنبھالنے کے لئے فوج کی تعداد میں اضافہ ضروری ہے۔ طالبان پھر سے سر اٹھا رہے ہیں اور پاکستان کے سرحدی علاقوں میں اپنی محفوظ پناہ گاہوں سے القاعدہ طالبان کی حمایت کررہی ہے اور امریکہ کو دھمکیاں دے رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ افغانستان پر اس طرح توجہ مرکوز نہیں کی گئی ہے جس طرح کی جانی چاہئے تھی۔ بارک اوبامہ نے کہا کہ عراق سے فوجوں کی مجوزہ واپسی کے پیش نظر ہی افغانستان میں فوج کی تعداد میں اضافے کا فیصلہ ممکن ہوسکا۔ اس سے قبل اقوام متحدہ نے اپنی ایک رپورٹ میں کہا کہ گزشتہ ایک برس کے اندر افغانستان میں امریکی قیادت میں اتحادی فوج اور طالبان کے درمیان جاری لڑائی میں دو ہزار ایک سو اٹھارہ شہری ہلاک ہوئے ہیں۔ تاہم رپورٹ کے مطابق مجموعی تعداد میں سے چالیس فیصد شہری اتحادی اور افغان فوج کی کارروائیوں میں مارے گئے۔ جبکہ ۵۵ فیصد کے لگ بھگ ہلاکتوں کے ذمے دار خود شدت پسند ہیں۔

کابل سے نامہ نگار مارٹن پیشنس کے مطابق افغانستان میں لڑائی میں شدت آجانے سے افغان شہریوں کی ہلاکتوں میں بھی بھاری اضافہ ہوا ہے۔

رپورٹ کے مطابق ان میں زیادہ تر ہلاکتیں ملک کے جنوب میں ان خودکش بم حملوں کے دوران ہوئیں جن میں طالبان شدت پسندوں نے شورش کے خلاف لڑنے والی ملکی اور غیر ملکی فوج کو ہدف بنانے کی کوشش کی مگر ان میں زیادہ شہری نشانہ بنے۔ تاہم رپورٹ میں اعتراف کیا گیا کہ اتحادی افواج کی کارروائیوں کے دوران آٹھ سو سے زیادہ شہری مارے گئے۔

پاکستانی سینیٹ کا انتخاب

اسلام آباد۔ الیکشن کمیشن نے صوبہ سندھ سے بلامقابلہ منتخب ہونے والے سینیٹرز کی کامیابی کا نوٹیفکیشن جاری کردیا ہے جس کے مطابق مشیر داخلہ رحمٰن ملک اور وزیر قانون فاروق نائک پارلیمنٹ کے ایوان بالا کے بلا مقابلہ رکن قرار پائے ہیں۔ الیکشن کمیشن سے جاری ہونے والے نوٹیفکیشن کے مطابق سینیٹ کی عام نشستوں پر سات جبکہ خواتین اور ٹیکنوکریٹس یا علماء کے لئے مخصوص نشستوں پر بالترتیب دو دو امیدوار کامیاب قرار پائے ہیں۔ کامیاب ہونے والوں میں پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے مشیر داخلہ رحمٰن ملک اور وزیر قانون فاروق نائک کے علاوہ مولابخش چانڈیو، اسلام الدین شیخ، گل محمد لاٹو، سید فیصل رضا عابدی، کھوسل اور الماس پروین شامل ہیں۔ جبکہ متحدہ قومی موومنٹ کے بابر خان غوری، عبدالحسیب خان اور شیرالہ ملک بھی کامیاب ہونے والے سینیٹرز میں شامل ہیں۔

بقیہ: جرائم پر قابو پانے کے...

پھیلتا اور کیونکر برگ وبار لاتا ہے ان میں سے بعض کے نزدیک لباس کی یکسانیت، زبان وتہذیب کا اشتراک، ملک وقوم کی خدمت اور کچھ کے خیال میں علم ودولت، وسائل کی افراط اور مادی ترقی اس کا حل ہے، لیکن ہمارا کہنا ہے کہ جرائم کی دنیا کو بدلنے میں دل کا بڑا کردار ہے اور جب تک دل کی دنیا نہ بدلے گی زیادہ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ پوری دنیا کی باگ ڈور، دل کے ہاتھ ہوا کرتی ہے، زندگی کا تمام بگاڑ اسی دل سے شروع ہوتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے سب جگہ پھیل جاتا ہے اس لئے ہمارے مصلحوں اور سماجی خدمت گاروں کا یہ فرض ہے کہ وہ معاشرے سے جرم کا انسداد کرنے کے لئے صرف انتظامیہ، پولس اور سیاستدانوں پر بھروسہ نہ کریں بلکہ ذمہ دار شہری بنانے کی جدوجہد بھی کریں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو لوگ دل کو درست کرنے کی دعوت دے رہے ہیں ان کے بلاوے کو مجذوب کی بڑھ سمجھ کر ٹال نہ دیں ورنہ معاشرے میں مجرموں کی تعداد اسی طرح بڑھتی جائے گی اور اس سلسلہ کا کوئی علاج کارگر ثابت نہ ہوگا۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

''اے اللہ میں آپ سے اس علم کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو۔'' (مسلم)

OMEGA SUPER HARDWARE
Complete range of Latest fittings for Doors & Windows, Bath Rooms and Furnitures, Glass Furnitures
AD 5/2, 2nd AVENUE, ANNA NAGAR, CHENNAI- 40.
Phones: 2620 2016,4269 0216

Online Unani Herbal Consultation
044-28481344 E-mail:drameen@vsnl.net
for Sinusitis ★ Joints Pain ★ infertility ★ nervous ★ debility ★ Obesity ★ beauty & Hair Care
in public interest by Dr. Syed M.M. Ameen
B.U.M.S. (OSM)., M.D. (Herbal Med).,
Ph.D. (MED)., M.N.S.A. (IND)
S.K's Herbal Medical Hospital & Research Centre
36, J.J.K. Road, Royapettah, Chennai-600014 INDIA

ضرورت رشتہ
شیخ صدیقی، ایم اے بی ٹی سی، عمر ۲۵ سال، قد پانچ فٹ تین انچ، گورنمنٹ ملازمت، دیندار گھرانے سے وابستہ لڑکی کے لئے ایک موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ یوپی/ دہلی اور تدریس سے وابستہ لڑکے کو ترجیح دی جائے گی۔ خط وکتابت کا پتہ
Box No. 2229
C/o Sehroza Dawat
Dawat Nagar, D-314,
Abul Fazl Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi-25

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باپ کی رضا کے ساتھ خداوند عالم کی خوشنودی وابستہ ہے اور باپ کے غصے کی وجہ سے خدا تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتا ہے۔ (ترمذی شریف)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

دلت مسئلہ: جڑ میں کون؟
दलित समस्या जड़ में कौन?
وشو ہندو پریشد کے رہنما اشوک سنگھل کا الزام ہے کہ:
''دلت سمسیا اسلامی حملہ آوروں کی پیداوار ہے'' اور
''چھوت چھات اسلام کی دین ہے''
اس کتاب میں مصنف نے امت مسلمہ ہند کی جانب سے فرض کفایہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے ''دلت سمسیا: جڑ میں کون؟'' مرتب کرکے غلط فہمیاں پھیلانے والوں کا بھرپور جواب دیا، ہندوستان میں دلت سمسیا پیدا کرنے کے حقیقی ذمہ داروں کو بے نقاب کیا، اور ان سے ۲۳ چبھتے ہوئے سوالات کئے جو ہنوز جواب کے منتظر ہیں! کتاب میں اس حق کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ دلت سمسیا کا حقیقی حل کل بھی اسلام تھا اور آج بھی اسلام ہی ہے۔
دلتوں کے مسائل وحقوق، دردواضطراب، ان پر ظلم وستم اور ان کے ردعمل کو مربوط طور پر پیش کرنے والی عظیم ہندی تخلیق دلت سمسیا: جڑ میں کون؟ ضرور پڑھیے، تاکہ عصری فتنوں سے آگاہی بھی رہے اور اس کے سدباب کی صورتوں پر غور بھی کرسکیں، دلت دوستوں اور ملاقاتیوں کو پیش کرنے کے لئے بہترین تحفہ۔ اہل قلم، دانشوروں، ممتاز شخصیات اور اخبارات ورسائل نے کتاب کا گرم جوشانہ استقبال کیا۔
مصنف : انتظار نعیم
☆ ہندی ایڈیشن Rs.100/- ☆ اردو ایڈیشن Rs.140/-
مدھر سندیش سنگم
E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی 25 فون 26953327, 26925156 فیکس 23276741

ایم اے ایف اکیڈمی
اے ۴۳ سیکٹر ۶۲، نوئیڈا
فاؤنڈر: محمد ابوالفضل فاروقی
نرسری تا XI داخلے جاری
★ سی بی ایس ای سے منظور شدہ ★ سی بی ایس ای کورس
★ اعلیٰ تربیت یافتہ اسٹاف ★ بچے کی پروگریس پر ہر وقت نظر
★ ہر طالب علم پر خصوصی توجہ ★ سیکشن میں صرف ۲۵ طلباء
★ ابتداء سے کمپیوٹر کی تعلیم ★ ہر وقت بجلی کے لئے جنریٹر موجود
★ ضروری سامان سے آراستہ سائنس لیب
★ کمرہ روشن، ہوادار، تپش سے محفوظ ★ ۲۴ ہزار مربع گز کا وسیع رقبہ
★ صد فیصد نتائج ★ سیٹیں محدود ★ داخلہ فارم ویب سائٹ پر دستیاب
★ داخلے کیلئے بچے کا ہونہار ہونا کافی ★ ٹرانسپورٹ کے لئے محفوظ اور آرام دہ بسیں
★ ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور جدید ترین سہولتوں سے آراستہ نہایت خوشنما عمارت
صد فیصد رزلٹ کے ساتھ سبھی طالب علم فرسٹ ڈویژن ڈسٹنکشن (Distinction) کے ساتھ پاس ہوئے ہیں۔
اعلیٰ ترین سہولتوں کے باوجود فیس کفایتی
Phone: (0120) 2400522, 6545202
Fax:(0120)2400510
e-mail: info@mafacademy.com
Website: www.mafacademy.com

نقوشِ تربیت
تصنیف: الشیخ مصطفیٰ محمد طحان
ترجمہ: مولانا تنویر آفاقی
غار والوں کا قصہ، جاہل راہب اور عالم کا قصہ، اصحاب اخدود کا قصہ، کتے کو پانی پلانا جنت کی ضمانت بنا، یہ متعفن لاشیں ہیں، غزوۂ بدر کے کمانڈر، بغاوت، نفاق اور حب دنیا، دعوتی مشن کا کردار، محبت کے بغیر تربیت ممکن نہیں، حضرت عمرؓ کا عدل وانصاف، خلیفۂ وقت کو نصیحت، پاک دامنی کی حفاظت، عیب پوشی، عربی وعجمی اور وہ خاتون جس کی شکایت اللہ نے آسمان میں سنی جیسے درجنوں عناوین کے تحت اسلامی وتاریخی واقعات کی روشنی میں اصلاح وتربیت کا ایک موثر اور قابل عمل مرقع ـــــ مشہور عرب عالم ومصنف الشیخ مصطفیٰ محمد طحان کی مقبول عام عربی کتاب 'معالم تربویۃ' کا سہل آسان اور عام فہم اردو ترجمہ۔
سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ● صفحات: ۲۱۶ ● قیمت: Rs.70/-
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵
Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones:26971652,26954341, Fax:26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www. mmipublishers.net